ہندوپاک کی تیرہ سو سالہ تاریخ کا نہایت دلچسپ اور فکر انگیز مجموعہ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مفتی اعظم پاکستان

ادارۃ المعارف کراچی

فتوح الہند

ہندو پاک کی تیرہ سو سالہ تاریخ کا نہایت دلچسپ اور فکر انگیز مجموعہ

✿

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مفتیٔ اعظم پاکستان

✿

ادارۃ المعارف کراچی ۱۴

باہتمام : محمد مشتاق سنی

طبع جدید : محرم الحرام ۱۴۲۴ھ مارچ ۲۰۰۳ء

مطبع : احمد پرنٹنگ پریس ناظم آباد کراچی

ناشر : ادارۃ المعارف کراچی احاطہ دارالعلوم کراچی ۱۴

فون : 5049733 - 5032020

ای میل : i_maarif@cyber.net.pk

ملنے کے پتے:

- ادارۃ المعارف کراچی احاطہ دارالعلوم کراچی ۱۴

فون : 5049733 - 5032020

- مکتبہ معارف القرآن کراچی احاطہ دارالعلوم کراچی ۱۴

فون: 5031565 - 5031566

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم

عرضِ ناشر

''فتوح الھند'' دراصل ایک تاریخی عنوان ہے جس پر مستقل تصانیف موجود ہیں جن میں ہندوستان میں اسلامی فتوحات کی تفصیلات درج ہیں۔

مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جب ہندوستان کی زمینوں سے متعلق یہ تحقیق شروع فرمائی کہ یہاں کی زمینیں عشری ہیں یا خراجی، تو اس کے لئے حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ نے اس تاریخی مواد کا بھی مطالعہ فرمایا جس میں یہ درج تھا کہ مسلمان فاتحین نے ہندوستان کی کونسی زمین صلح سے فتح کی تھی اور کونسی عنوۃً یعنی قہر وغلبہ کے ساتھ فتح کی تھی اور فاتحین نے اول فتح میں ان کے متعلق کیا احکام نافذ کئے تھے۔

اس عظیم کاوش کا اصل مقصد تو اراضیٔ ہند کے احکامِ شرعیہ کی تحقیق تھی جو ''اسلام کا نظامِ اراضی'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوئی مگر اس کے ساتھ ہندوستان میں دخولِ اسلام کی تاریخ سے متعلق بھی اہم اور مفید معلومات جمع ہوگئیں جن کو حضرت مفتی صاحبؒ نے ''فتوح الھند'' کے عنوان سے اپنی مذکورہ کتاب کا حصہ دوم قرار دے کر شائع فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی تحریر فرمادیا کہ:

''فتوح الھند کو جداگانہ حیثیت سے بھی طبع کیا جاسکتا ہے۔''

لہٰذا اس کی مستقل افادیت کے پیشِ نظر اب اسے الگ بھی شائع کیا جارہا ہے۔

محمد مشتاق سَتّی

۱۵/شوال المکرم ۱۴۲۳ھ　　　　خادم ادارۃ المعارف کراچی ۱۴

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الهم مالک الملک توتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء و تذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شیی قدیر والصلوٰة والسلام علی خیر خلقه وصفوة رسله محمد واٰله و صحبه اجمعین زینة عرشه ومداد کلمته ورضا نفسه

امابعد ۔ زیر نظر رسالہ کا موضوع ہندوستان میں اسلامی فتوحات اور ان کی خاص تفصیلات ہیں جو یہاں کی زمینوں سے متعلق ہیں۔ بظاہر یہ ایک تاریخی موضوع ہے، مگر نہ میں تاریخ کا طالب علم ہوں نہ میرا یہ فن ہے اور نہ تاریخ کی حیثیت سے اس کو پیش کر رہا ہوں، اس لیے اس کو کوئی مستقل تاریخی کتاب نہیں بنایا بلکہ رسالہ احکام الاراضی کا دوسرا حصہ قرار دیا ہے، جس کے شروع میں بتلایا گیا ہے کہ اصل مقصد اس کتاب کی تصنیف کا اراضی ہند کے احکام شرعیہ کی تحقیق ہے۔ مگر شرعی اور فقہی حیثیت سے ان احکام کا معلوم کرنا اس پر موقوف ہے کہ ان اراضی کی پوری تفصیل معلوم ہو کہ صلح سے فتح ہوئی یا جنگ سے۔ اور فتح کرنیوالوں نے اول فتح میں ان کے متعلق کیا احکام نافذ کئے کس کی ملکیت قرار دی۔ کیا وظائف ان پر عائد کئے۔

ان مسائل کی تحقیق نے مجھے اسلامی دور کے پورے ہندوستان کی سیر کرائی اور اس کی فتوحات کی پوری تاریخ دیکھنے اور اس سے اپنے موضوع بحث کے متعلق حوالے اور یادداشتیں جمع کرنے پر مجبور کیا۔ ضمنی طور پر کچھ ایسے واقعات بھی لے لئے گئے جو اگرچہ اس موضوع بحث سے متعلق نہ تھے مگر کچھ مفید معلومات اور اہم نتائج لئے ہوئے تھے۔ اس طرح یہ مجموعہ فتوح الہند تیار ہوا جس کو جداگانہ تاریخی حیثیت سے بھی طبع کیا جاسکتا ہے۔ فن تاریخ جاننے والے اگر اس میں کچھ اغلاط یا التباس محسوس فرمادیں تو اصلاح فرمادیں اور احقر کو بھی مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ طباعت میں اصلاح ہو سکے واللہ ولی التوفیق وهو فی کل امر خیر رفیق ۔

نہ بحرف ساختہ سرخوشم نہ بہ نقش بستہ مشوشم　　نفسے زیاد تو می زنم چہ عبارت و چہ معانیم

۱۰/ ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ

بمقام دیوبند ضلع سہارنپور

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

ہندوستان کی کچھ خصوصیات

یہ شرف تمام عالم میں صرف ہندوستان ہی کو حاصل ہے کہ خدا تعالیٰ کے سب سے پہلے پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام اول ہندوستان میں اترے۔ وحی نبوت سب سے پہلے ہندوستان میں آئی۔ یا یوں کہیے کہ اسلام سب سے پہلے ہندوستان میں آیا، علامہ آزاد بلگرامی نے اسی وجہ سے مآثر ہندوستان کی سب سے بڑی فضیلت یہی لکھی ہے۔

(سبحۃ المرجان فی مآثر ہندوستان)

لیکن ہماری بحث کا تعلق اس وقت ہندوستان کے اس اسلامی دور سے ہے جس کی ابتداء خاتم الانبیاء الرسلین حبیب رب العلمین ہمارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتی ہے۔

ہندوستان میں اسلام

عرب بالخصوص قریش ایک تاجر قوم تھی۔ اس زمانہ کی سادگی اور آلات حمل ونقل اور رسل و رسائل کی بے حد کمی کے باوجود دنیا کی مشرق ومغرب ان کے زیر قدم تھی۔ دور دراز کے ملکوں سے اموال تجارت کی درآمد و برآمد ان کا پیشہ تھا۔ اس تجارتی سلسلہ میں ان کے تعلقات ہندوستان کے ساتھ بھی بعثِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہی قائم تھے۔ بالخصوص[1] مالابار (لنکا) ان کا تجارتی مرکز تھا بہت سے عرب یہیں آباد ہو گئے تھے۔ تاریخ فرشتہ میں ہے۔

> ''پیش از ظہور اسلام و بعد از ظہور اسلام طائفہ یہود ونصاریٰ برسم تجارت از راہ دریا بداں دیار (مالابار) آمد وشدی کروندو در آخر الامر میان مالیباریاں وایشاں بواسطہ منافع دنیوی الفتے بہم رسیدہ بعضے از بازرگانان یہود ونصارے در شہر ہائے ملیبار ساکن شدہ و منازل و بساتین ساختند۔''

مشہور فرانسیسی مورخ لیبان اپنی کتاب ''تمدن عرب'' میں لکھتا ہے کہ......

---

[1] یہ مضمون ہندوستان کے مستند مورخ مولانا اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی کی کتاب آئینہ حقیقت نما سے کسی قدر اضافہ اور حذف کے ساتھ لیا گیا ہے۔ ۱۲ محمد شفیع عفی عنہ۔

''عربوں نے تجارتی تعلقات کو بہت بڑی وسعت اور ترقی دی وہ بہت جلد ساحل کارومنڈل، ملابار، سماٹرا، جزائر بحر ہند کو طے کرتے ہوئے جنوبی چین تک پہنچ گئے۔

سب سے پہلے اسلام مالا بار میں

عام طور پر مشہور یہ ہے کہ ہندوستان میں سب سے پہلے اسلام علاقہ سندھ میں آیا لیکن تاریخی حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہندوستان میں سب سے پہلے مالا بار، سراندیپ وغیرہ جزائر شرق الہند میں پھیلا۔ مگر یہ اشاعت جنگ و جہاد کے ساتھ نہیں ہوئی بلکہ عرب تجار کی آمدورفت کے سبب ہوئی۔ جہاد کی صورت میں اسلام کا فاتحانہ داخلہ بیشک سندھ سے شروع ہوا اور شاید اسی سبب سے اس کو ابتدائی داخلہ اسلام کہا گیا ہے۔

عربوں کی آمدورفت پہلے ہی سے مالا بار میں تھی۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا حال مالا بار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانہ میں لوگوں کو معلوم ہو چکا تھا۔ اس زمانہ میں مالا بار کا راجہ زمون یا سامری کے نام سے مشہور تھا جو خاندان پلویا سے تعلق رکھتا تھا۔ اس راجہ نے معجزہ شق القمر کو دیکھ کر اس عجیب واقعہ کے متعلق تحقیق و تفتیش شروع کی اور اس واقعہ کو بطور یادداشت سرکاری روزنامچہ میں درج کرایا۔ بالآخر اس کو معلوم ہوا کہ عرب کے ملک میں ایک پیغمبر پیدا ہوئے اور انہوں نے یہ معجزہ دکھایا ہے یہ سن کر راجہ نے اسلام قبول کرلیا اور تخت و سلطنت اپنے ولی عہد کو سپرد کر کے خود کشتی میں سوار ہو کر ملکِ عرب کی جانب روانہ ہوا لیکن راستہ ہی میں فوت ہو کر ساحلِ ملکِ یمن میں مدفون ہوا۔ راجہ کا یہ سفر چونکہ عام اطلاع کے بغیر پوشیدہ طور پر عمل میں آیا تھا لہٰذا لوگوں نے راجہ کے اس طرح غائب ہو جانے کی حقیقت کو نہ سمجھا۔

انہی ایام میں کچھ مسلمان تاجر سراندیپ میں آئے اور اسلام کا پیغام ساتھ لائے۔ جن عربوں نے اس جزیرہ میں تجارتی ضرورتوں کے سبب بود و باش اختیار کر لی تھی اول وہ مسلمان ہوئے اور پھر بہت جلد جزیرہ میں اسلام پھیلنے لگا حتیٰ کہ سراندیپ کا راجہ بھی

مسلمان ہوگیا اور اپنے آپ کو خلافت اسلامیہ کے ساتھ وابستہ کرلیا۔ یہ بات تحقیق طلب ہے کہ سراندیپ کا راجہ خلافت راشدہ کے زمانے میں مسلمان ہو چکا تھا یا خلافت بنوامیہ کے ابتدائی زمانہ میں مسلمان ہوا۔ بہر حال خلافت بنوامیہ کے ابتدائی زمانہ میں سراندیپ کا راجہ مسلمان تھا۔ فرشتہ کے الفاظ یہ ہیں:۔

> ہرآئینہ حاکم سراندیپ از رایاں دیگر مواضع ہندوستان برحقیقت اسلام مطلع شدہ در عہد صحابہ کرام مقلد قلادہ شریعت مصطفوی گردیدہ بود''

سراندیپ کے بعد ہی لکادیپ مالدیپ اور مالابار میں اسلام پھیل چکا تھا۔ مالابار میں اسلام نے اس لیے اور بھی جلد جلد ترقی کی اسلام کی مساوات و رواداری، ذات پات کی قیود کو دور کر کے مظلوم و مغلوب لوگوں کے لیے ایک ابر رحمت اور سامانِ ترقی تھی۔ مالابار کا راجہ بھی دوسری صدی ہجری کے اوائل میں چند مسلمان سیاحوں کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوگیا۔ عجائب الانظار کی روایت کے موافق اس وقت کا راجہ چیرامن پیرومل تھا اس نے بھی مشرف بااسلام ہونے کے بعد امور سلطنت اپنے نائبین کے سپرد کر کے حجاز مقدس کے سفر کا قصد کیا مگر عجائب اتفاق سے یہ بھی وہاں نہ پہنچ سکا راستہ ہی میں انتقال ہوگیا۔ آخر وقت میں اپنے رفقاء کو وصیت کی کہ مالابار میں تبلیغ اسلام کے کام کو پوری مستعدی سے وسیع پیمانہ پر جاری کیا جاوے ساتھ ہی اس نے اپنے نائب السلطنت کے نام بھی اسی مضمون کا ایک خط لکھ دیا جس کو شرف بن مالک اور مالک بن دینار اور مالک بن حبیب وغیرہ لے کر مالابار واپس آئے۔ نائب السلطنت نے ملک کے تمام سرداروں کو راجہ کے خط کا مضمون لکھ بھیجا جس کے سبب راجہ کی قوم کے آدمی بکثرت اسلام میں داخل ہوگئے۔ مالک بن دینار وغیرہ نے کدنکلور (کالیکٹ) میں مسجد تعمیر کی اور اس کے بعد کل مالابار کا دورہ کیا جا بجا لوگ اسلام میں داخل ہوئے اور مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ پھر یہ حضرات دورہ کرتے ہوئے ساحل کارومنڈل تک پہنچے۔ وہاں بھی بکثرت لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ اور مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ اس کے بعد جنوبی ہند کی طرح بحرالکاہل کے جزائر جاوا، ساٹرا، سنگاپور، ملایا وغیرہ میں بھی

اسی طرح اسلام پھیلنا شروع ہوا اور بہت جلد ان بلاد میں عام ہوگیا (یہ تمام مضمون تاریخ فرشتہ سے ماخوذ ہے) الغرض محمد بن قاسم ثقفی کے حملہ اور فتح سندھ سے پہلے جنوبی ہند سراندیپ اور مالا بار وغیرہ میں اسلام پھیل چکا تھا۔ اور تفصیل مذکور سے ظاہر ہے کہ ان بلاد میں اسلام کا داخلہ محض تبلیغی صورت سے ہوا۔ قہر وغلبہ اور جنگ و جہاد کا اس میں دخل نہ تھا۔

جنوبی ھنداور جزائرشرق الہند
کی اراضی وہاں کے باشندوں کی ملکیت ہیں

ان حالات میں ظاہر ہے کہ جنوبی ہند کے لوگوں کی زمینیں حسب دستور شرعی انہی کی ملک میں بدستور سابق سالم رہیں گی۔

فتوح السندھ

اراضی سندھ وملتان وغیرہ

اراضی سندھ کی کیفیت بتلانے سے پہلے یہ عرض کردینا ضروری ہے کہ آج کل صوبہ سندھ جس مختصر سے خطہ زمین کا نام ہے آج سے بارہ سو سال پہلے سندھ صرف اس محدود خطہ کا نام نہیں تھا بلکہ وہ ایک طویل وعریض اور وسیع ملک تھا۔ اس زمانہ کے مورخین جس ملک کو سندھ کے نام سے موسوم کرتے ہیں وہ مغرب میں مکران تک جنوب میں بحر عرب اور گجرات تک مشرق میں موجودہ ملک مالوہ کے وسط اور راجپوتانہ تک شمال میں ملتان سے اوپر گزر کر جنوبی پنجاب کے اندر تک پھیلا ہوا تھا۔ اس میں پنجاب کے جنوبی اضلاع بلوچستان کا اکثر حصہ، صوبہ سرحد کا جنوبی حصہ، راجپوتانہ کا اکثر حصہ، گجرات کا شمالی حصہ مع موجودہ ملک سندھ کے تھا۔ مورخین نے راجہ چچ اور اس کے پیش رو راجہ کے جو حدود حکومت بیان کئے ہیں وہ اس مذکورہ سندھ سے بھی زیادہ وسیع ہیں۔ لیکن عرب حملہ آوروں اور ان کے مورخین نے جس ملک کو سندھ کے نام سے تعبیر کیا ہے اسی کے وہ حدود ہیں جو اوپر مذکور ہوئے۔

(آئینہ حقیقت نما ص ٦٩)

فتوح البلدان میں علامہ بلاذری نے فتوح السندھ کی جو تفصیل دی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فتوح سندھ و ہند کا ابتدائی سلسلہ تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت ہی میں شروع ہو چکا تھا۔ عہد فاروقی ۱۵ھ ہجری میں سب سے پہلے عثمان بن ابی العاص والی بحرین نے اپنے بھائی حکم کو اس طرف بھیج دیا تھا جس کو خلیفہ وقت حضرت فاروق اعظمؓ نے پسند نہ فرمایا اور یہ ویسے ہی واپس ہو گئے۔ پھر حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے عہد خلافت میں چند لوگ ہندوستان کے حالات دریافت کرنے کے لیے بھیجے مگر حملہ و جہاد کی نوبت نہیں آئی۔ پھر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت میں حارث بن مرّہ عبدی بطور خود سرحد سندھ پر حملہ آور ہوئے اور ایک حد تک کامیاب ہوئے پھر حضرت معاویہؓ کے عہد خلافت ۴۴ھ میں مہلّب ابن ابی صفرہ (جن کو اکثر حضرات نے صحابی قرار دیا ہے اور ان سے ایک حدیث بھی روایت کی ہے، بعض نے ان کی صحابیت سے انکار کیا ہے۔ (اصابہ للحافظ ابن حجر) کابل قندھار کی بغاوت فرو کرنے کے لیے اس طرف آئے۔[1] بنہ، اہواز، قیقان، میں مقابلے ہوئے۔ یہاں کے باغی موجودہ سندھ میں آ کر پناہ گزین ہو گئے۔ حضرت مہلّب نے ان کا تعاقب کیا۔ دریائے سندھ کو عبور کر کے ملتان تک فتح کیا۔ اسی لیے بہت سی مستند تاریخوں میں ہندوستان کا فاتح اول مہلّب ابن ابی صفرہ کو قرار دیا ہے۔ (تاریخ فرشتہ، فتوح البلدان لذینی وحلان وغیرہ)

مگر مہلّب ابن صفرہ کو پھر دوسری مہمات پر جانا پڑا اور پھر راجہ چچ ان پر غالب آ گیا۔

(فتوح البلدان للبلاذری۔ فتوح البلدان لذینی وحلان، تاریخ فرشتہ، آئینہ حقیقت نما)

الغرض سرحد ایران کی بغاوت فرو کرنے یا باغیوں کا تعاقب کرنے کے سلسلہ میں چھوٹے چھوٹے حملے اور وقتی و ہنگامی فتوحات کا سلسلہ تو کچھ پہلے سے شروع تھا مگر مستقل طور پر سندھ فتح کرنے کے لیے خلافت اسلامیہ کی طرف سے باقاعدہ حملہ کی ابتداء ۸۹ھ

---

[1] ان ناموں کے شہر قدیم تاریخ میں حدود سندھ کے اندر شمار کئے گئے ہیں۔ اب معلوم نہیں کہ یہ شہر موجود ہیں تو کن ناموں سے موسوم کئے جاتے ہیں۔"

میں خلیفۂ وقت ولید بن عبدالملک کے حکم سے ہوئی اور اس کا انتظام والی عراق حجاج بن یوسف ثقفی کے سپرد ہوا۔ اور سببِ محرک اس حملہ کا یہ ہوا کہ حاکم سرانديپ جو پہلے مسلمان ہو چکا تھا اس نے کچھ تحائف و ہدایا خلیفہ وقت ولید بن عبدالملک کے لیے اور کچھ مسلمان مسافر تجار و حجاج کے آٹھ جہاز سرانديپ روانہ کئے تھے۔ جب یہ جہاز باب عجم (ساحلِ سندھ) کے قریب پہنچے تو سندھ کے راجہ داہر کی طرف سے چھوڑے ہوئے ڈاکوؤں نے ان جہازوں کو گرفتار کرلیا اور دیبل بندرگاہ سندھ پر لاکر مال و اسباب لوٹ لیا اور مسلمان مسافروں کو قید کرلیا۔ کچھ لوگ بچ نکلے اور عراق پہنچ کر حجاج بن یوسف سے واقعہ بیان کیا اور استغاثہ کیا۔ حجاج نے راجہ داہر کے نام خط لکھا کہ ہمارے مسلمان تجار اور حجاج کو فوراً رہا کردو اور ان کے اموال واپس دو۔ راجہ داہر نے اس کا مغرورانہ اور لغو جواب دیا۔ اس وقت حجاج بن یوسف نے امیر المومنین ولید بن عبدالملک سے سندھ پر جہاد کی اجازت طلب کی اور باذن امیر المومنین اول چند مختصر فوجی دستے سرحد سندھ پر بھیجے مگر راجہ داہر نے کافی قوت فراہم کی ہوئی تھی وہ کافی نہ ہوئے تو پھر ۸۹ھ میں چھ ہزار شامی و عراقی[1] عربوں کا لشکر محمد بن قاسم ثقفی کی قیادت میں سندھ پر بھیجا گیا۔

(تاریخ کامل ابن اثیر ص ۲۰۵ /۴ وفتوح البلدان للبلاذری)

تاریخ فرشتہ نے اس واقعہ کو بالفاظ ذیل لکھا ہے۔

> حاکم سرانديپ چوں بسلاطین اسلام اعتقاد فراوان داشت از دریا کشتی مملو از تحف و ہدایا و غلامان و کنیزان جہت ولید روانہ دار الخلافت ساخت و چوں بحوالی باب عجم رسید ند مردم لومک کہ بہ حکم حاکم دیبل بر روئے دریا متردد بودند سرراہ برائے کشتی گرفتہ با ہفت کشتی دیگر تبصرف درآوردند و اموال و اشیائے کہ درانہا بود از خود گرفتہ چند زنان مسلمان کہ از سرانديپ روانہ حج بودند آنہارا اسیر ساختند و جمعیکہ از دست آں کفار اشرار توفیق گریختن یافتہ بودند نزد حجاج رفتہ داد خواہ شدند۔ حجاج مکتوبے بحاکم سندھ داہر بن صصہ نوشتہ نزد محمد ہارون فرستاد تا بدست معتمدان خود نزد داہر فرستد۔ داہر بعد ورود نامہ و

[1] یہ لوگ سب کے سب دراصل حجازی شرفاء تھے جو شام و عراق میں آباد ہوگئے تھے (آئینہ حقیقت نما ص ۸۴)

اطلاع بر مضمون آں در جواب نوشت کہ ایں عمل از قومے بوقوع آمدہ کہ درکمالِ شوکت وقوت اند وبدستیاری سعی دفع آں گروہ پرشکوہ متصور نیست۔ چوں ایں خبر بحجاج رسید از ولید بن عبدالملک رخصت غزا حاصل کردہ وبدیل شخصے را باسی صد سوار نزمحمد بن ہارون فرستاد۔''

عجیبہ

محمد بن قاسم ثقفی چھ ہزار کالشکر لے کر سرحد سندھ پر پہنچے اور پھر ایک عجیب تدبیر سے کشتیوں کا پل بنا کر دریائے سندھ کو عبور کر کے راجہ کی زبردست ہاتھیوں کی فوج سے مقابل ہوئے تو اسلامی دارالخلافت سے ہزاروں میل کا فاصلہ پر یہ جنگ جاری تھی اور آلات رسل ورسائل، دخانی جہاز، ہوائی جہاز، ریڈیو، لاسکی پیغام وغیرہ جو آج کل پائے جاتے ہیں ان کا کہیں نام نہیں تھا۔ لیکن انتظام کی خوبی یہ تھی کہ عراق کے دارالخلافہ سے محمد بن قاسم کے پاس ڈاک اور اس میں جنگ کے متعلق ہدایات ہر تیسرے روز پہنچتی تھیں۔ یہاں تک کہ (عروس نامی) قلعہ شکن منجنیق جو لشکر اسلامی کے ساتھ تھا اس کا حملہ دیبل کے سب سے بڑے منارہ (وقل نامی) پر کس سمت اور کس انداز سے ہوا اس کا پورا نقشہ کھینچ کر حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کو بھیجا تھا۔ ہر تیسرے روز ہندوستان کی ڈاک عراق اور عراق کی ڈاک ہندوستان پہنچ جاتی تھی۔ (فتوح البلدان للبلاذری ص ۴۲۵)

یہاں مجھے فتح سندھ کی تاریخ لکھنا نہیں۔ صرف یہ بتلانا ہے کہ ہندوستان کے پہلے فاتح نے اس کے حصوں کو کس کس طرح فتح کیا اور وہاں کے سکان کی اراضی وغیرہ کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔

فتح دیبل

دیبل قدیم زمانہ میں ایک شہر تھا جس کا محلِ وقوع موجودہ شہر کراچی کے آس پاس تھا۔ کراچی شہر تو ایک جدید بستی ہے جس کی عمر دو سو سال سے زائد نہیں۔ مؤرخ نجیب آبادی نے آئینہ حقیقت نما ص ۷۰ میں بتلایا ہے کہ دیبل اس زمانہ میں سندھ کی سب سے بڑی

بندرگاہ تھی۔ اس کے وسط میں بودھو کا ایک مندر تھا جس کو دیوَل کہتے تھے۔ اسی کے نام سے اس شہر کا نام دیوَل یا دیبَل مشہور ہو گیا۔

ہندوسندھ کی تاریخ لکھنے والوں نے مختلف قیاسات اس کے محل وقوع کے متعلق قائم کئے ہیں۔ بعض نے کہا کہ کراچی کی بندرگاہ کیماڑی سے کچھ فاصلے پر جو جزیرہ منوڑہ کے نام سے مشہور ہے اور اس کے پہاڑ پر ایک قلعہ قدیم زمانہ کا ہے یہی مقام قدیم زمانہ میں دیبَل کے نام سے مشہور تھا۔ اس کی بڑی وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ اسی مقام پر قدیم زمانہ سے ایسا منار بنایا ہوا ہے جو ہر طرف سے آنے جانے والے جہازوں کو روشنی اور رہنمائی دیتا ہے اور اسی مینارہ کی وجہ سے اس کا نام منوَرہ معمولی تغیر کے ساتھ مشہور ہو گیا۔ اور قدیم تاریخیں اس پر متفق ہیں کہ محمد بن قاسم جب دیبَل پر اترے تو وہاں ایک بڑا مستحکم منارہ تھا جس کو منہدم کیا گیا۔ ان علامات و قیاسات کی وجہ سے بعض حضرات نے منوَرہ ہی کو دیبَل قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے شہر ٹھٹہ کو دیبَل بتلایا ہے جو قدیم زمانہ میں سندھ کا عظیم ترین شہر تھا۔

> علامہ حموی نے معجم البلدان میں اس کا نام اور محل وقوع اس طرح متعین کیا ہے کہ دیبل بفتح اول وسکون ثانیہ و باء مؤحدہ مضمومہ ولام۔ بحر الہند کے ساحل پر ایک مشہور شہر ہے جو اقلیم دوم میں واقع ہے اس کا طول بلد جانب مغرب سے ۹۲ درجہ ۲۰ دقیقہ اور عرض البلد جانب جنوب سے ۲۴ درجہ ۳۰ دقیقہ ہے اور یہ بتلایا ہے کہ لاہور ملتان وغیرہ کے دریا اسی کے قریب سمندر میں گرتے ہیں اور فرمایا کہ محدثین کی فہرست میں بہت سے راوی حدیث اس شہر کی طرف سے منسوب ہیں۔ انہی میں سے ابوجعفر محمد بن ابراہیم دیبلی ہیں جنہوں نے مکہ مکرمہ میں اقامت کر لی تھی۔ سعید بن عبدالرحمٰن مخزومی اور حسین بن حسن مروزی سے حدیث کی روایت کرتے تھے ان کے فرزند ابراہیم بن محمد دیبلی بھی راوی حدیث ہیں۔ موسیٰ ابن ہارون سے حدیث روایت کرتے ہیں۔ (معجم البلدان حموی ص ۴۹۵ ج ۸)

علامہ حموی نے جو دیبَل کے محل وقوع کا پتہ دیا ہے کہ لاہور و ملتان وغیرہ کے دریا اسی کے قریب سمندر میں گرتے ہیں یہ پتہ اس مقام کا نشان دیتا ہے جو شہر کراچی سے شمال مشرق

میں تقریباً ۵۰ میل پر آج بھی ڈابے جی کے نام سے معروف ہے۔ اسی نام سے یہاں کا ریلوے اسٹیشن ہے جو کراچی پشاور کی بڑی لائن پر واقع ہے۔

حموی کے بتلائے ہوئے محل وقوع کی تائید حال میں اس واقعہ سے ہوگئی کہ ڈابے جی اسٹیشن سے چند فرلانگ کے فاصلے پر ساحلِ سمندر پر ایک قدیم قلعہ کے کچھ نشانات پائے گئے تو پاکستان کے محکمہ آثار قدیمہ نے اس کی کھدائی شروع کی۔ پورا قلعہ مٹی کی تہ میں دبا ہوا برآمد ہوا جس میں کھدائی کے دوران کچھ قبریں بھی پائی گئیں جن میں مردوں کے ڈھانچے سالم موجود ہیں ان ڈھانچوں کو محکمہ نے آئینہ کے خول کے ذریعے محفوظ کر دیا ہے۔

ان مردوں کے ڈھانچے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ باقاعدہ دفن کئے گئے ہیں۔ سب کا رخ قبلہ کی طرف ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسلمان شہداء ہیں جو فتح دیبل کے وقت شہید ہوئے ہیں۔ بعض لاشوں کے اندر تیر پیوست ہیں تیر کا حصہ بھی اسی طرح موجود ہے۔

اسی قلعہ کے نیچے سندھ کی قدیم صنعت رنگسازی کے ایک بڑے کارخانے کے نشانات بھی کھدائی میں برآمد ہوئے ہیں۔ اسی کے ساتھ ایک بڑی جامع مسجد کی محراب اور بنیادیں نکلی ہیں، تاریخ ابن اثیر میں ذکر کیا ہے کہ جب محمد بن قاسم اپنے چار ہزار لشکر کے ساتھ دیبل میں اترے تو راجہ داہر کا بیٹا کیشب (جس کا نام اردو تاریخوں میں جیسیہ بتلایا گیا ہے) مقابلہ پر آیا۔ تاریخ کامل کی روایت پر تین دن اور بعض اردو مؤرخین کی روایت پر آٹھ دن مقابلہ رہا۔ بالآخر جیشیہ کا لشکر کچھ تو ہلاک ہوگیا۔ باقی ماندہ لشکر کو لے کر وہ رات میں فرار ہوگیا۔ محمد بن قاسم نے چار ہزار مسلمان دیبل میں اتار دیئے اور جامع مسجد تعمیر کی

(کامل ابن اثیر ص ۲۰۵ ج ۴)

کامل ابن اثیر میں اس مقام پر محمد بن قاسم کا جامع مسجد بنانا بھی مذکور ہے۔ موجودہ برآمد شدہ قلعہ کے پہلو میں اس جامع مسجد کا ہونا بھی اسی مقام کو دیبل قرار دینے کا پتہ دیتا ہے۔ اس مقام کا نام ڈابے جی بھی ممکن ہے دیبل جی سے بدل کر بنا ہو۔ دیبل چونکہ بدھ مذہب کا مذہبی شعار تھا اس لیے اس کے ساتھ لفظ جی کا تعظیمی لگا دینا بعید نہیں اور

اس کا اصل نام دیبل جی ہونے کے بعد عوام کے زبان زد ہو کر ڈابے جی بن جانا بھی کچھ مستبعد نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فتح دیبل کے بعد جو شخص ہتھیار بند اور برسر مقابلہ تھے گرفتار کر کے محمد بن قاسم کے سامنے لائے گئے۔ عام باشندگان کے لیے معافی اور امن وامان کا اعلان ہوا۔ دیبل کے جیل خانہ کا محافظ بھی گرفتار ہو کر سامنے آیا جو ایک پنڈت تھا اس نے بیان دیا کہ میں قدیم زمانہ سے مسلمانوں کے ساتھ اعتقاد رکھتا ہوں اور سرحد سندھ پر سب سے پہلے حملہ میں جو مسلمان قید کر لئے گئے تھے میں نے ان کو بہت آسائش کے ساتھ رکھا ہے اور آپ کے یہاں داخل ہوتے ہی ان کو آزاد کر دیا ہے۔ محمد بن قاسم نے اس کے بیان کی تحقیق وتصدیق کے بعد اس پنڈت کی قدر شناسی کی اور شہر دیبل کا حاکم اعلیٰ اسی کو مقرر کر کے حمید بن ذرّاع کو اس کی ماتحتی میں دیبل کا شحنہ (پولیس افسر) مقرر کیا۔ غیر مضافی لوگ اور ان کی جائداد و اموال سب بالکل محفوظ رہے۔ سامان جنگ، شاہی اموال وخزائن جو دیبل میں موجود تھے وہ فاتحین کے قبضہ میں آئے۔ ان اموال کا پانچواں حصہ حجاج کے پاس روانہ کیا گیا باقی فوج میں تقسیم ہوئے۔ (آئینہ حقیقت نما ص ۸۶)

اور علامہ بلاذری کے فتوح البلدان میں دیبل کی فتح قہر وغلبہ کے ساتھ بیان کرنے کے بعد لکھا ہے۔

واختط محمد للمسلمين بها و بنى مسجد او انزلها اربعة آلاف (ص ۴۲۵)

"محمد بن قاسم نے دیبل میں مسلمانوں کو جائدادیں دیں اور جامع مسجد بنائی اور چار ہزار مسلمان یہاں اتار دیئے"

نتائج متعلقہ اراضی دیبل

(۱) معلوم ہوا کہ شہر دیبل عنوۃً یعنی قہر وغلبہ کے ساتھ فتح ہوا۔

(۲) آئینہ حقیقت نما کے بیان کے موافق ثابت ہوا کہ اسلامی لشکر نے فتح کرنے

کے بعد صرف شاہی زمینوں اور عمارتوں اور خزائن پر قبضہ کیا۔ عام باشندگانِ شہر کی جائدادوں اوراموال پرانہی کا مالکانہ قبضہ بدستور باقی رکھا۔

(۳) بلاذری کے بیان کے موافق کچھ جائدادیں مسلمانوں کو عطا کی گئیں۔ یہ بیان آئینہ حقیقت نما کے بیان کے خلاف ومنافی نہیں۔ کیونکہ یہ ہوسکتا ہے کہ یہ جائدادیں شاہی مقبوضات اور غیر مملوکہ زمینوں میں سے مسلمانوں کو دی گئی ہوں۔ بلکہ ظاہر حالات سے یہی صورت متعین ہے۔ (آئینہ ص ۷۰)

فتح بیرون

شہر بیرون کراچی سے ستر میل کے فاصلہ پر شمال مشرق میں واقع ہے۔ اس شہر کے حاکم نے اول ہی حجاج بن یوسف کے پاس اپنا وفد بھیج کر صلح کی درخواست منظور کرالی تھی۔ محمد بن قاسم ثقفی جب وہاں پہنچے تو انہوں نے تحائف کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور اپنے شہر میں لے گئے۔ (کامل ابن اثیر ص ۲۰۵ ج ۴۔ بلاذری ص ۴۲۵)

نتائج متعلقہ اراضی

ظاہر ہے کہ جب یہ شہر صلحاً فتح ہوا تو ان لوگوں کی سب زمینیں اور جائدادیں انہی کی ملک سابق میں بدستور قائم رہیں صرف خراج ادا کرنا ان کے ذمہ عائد ہوا۔

متعدد شہروں کی فتح عنوۃً وصلحاً زمینوں پر خراج

اس کے بعد محمد بن قاسم بہروج وغیرہ متعدد شہروں کو قہر وغلبہ کے ساتھ فتح کرتے ہوئے آگے بڑھے اور دریائے مہران[۱] سے ورے ایک نہر پر اترے تو شہر سربیدس کے حکام وامراء ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امن وصلح کی درخواست کی۔ محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے صلح قبول کر کے ان کی زمینوں پر خراج مقرر کردیا۔ (بلاذری)

اس کے بعد سیوستان پہنچے (جس کو تاریخ وغیرہ میں سدوستان لکھا ہے) اس پر راجہ

---

[۱] یہ دریا مہران یا بہران یا باران کے نام سے موسوم ہے۔ صرف سو میل لمبا ہے کوٹری کے پاس دریائے سندھ میں شامل ہوجاتا ہے۔ ۱۲ (آئینہ حقیقت نما ص ۷۰)

داہر کا بھتیجا بچھرا (بجے رائے) حکمران تھا۔ جب محمد بن قاسم نے ایک دستہ فوج کا محمد بن مصعب کی قیادت میں اس طرف بھیجا تو اس نے مقابلہ کا ارادہ کیا لیکن باشندگان شہر نے جن میں بودھ مذہب کے بڑے بڑے عالم بھی تھے اجتماع کر کے یہ طے کیا کہ مسلمان جس کو امن دیدیتے ہیں وہ اپنے وعدہ کو پورا کرتے ہیں ان سے لڑنا مناسب نہیں صلح و امن کی درخواست کرنا چاہیے مگران کے حاکم بجے رائے نے ان کی بات نہ مانی مقابلہ میں آ ڈٹا۔ کئی روز تک لڑائی جاری رہی۔ ایک روز اس نے اپنا جاسوس مسلمانوں کے لشکر میں بھیجا۔ ان کو نماز با جماعت پڑھتے ہوئے دیکھ کر اس نے یہ بیان دیا کہ مسلمانوں کو مغلوب کرنا بہت مشکل ہے۔ جاسوس کے اس بیان سے بجے رائے مرعوب ہو گیا۔ رات ہی کو سیوستان سے فرار ہو گیا۔ باشندگان سیوستان نے صلح کے ساتھ شہر پر قبضہ دے دیا۔

(آئینہ حقیقت نما ص ۸۷)

ان کی زمینیں اور اموال اور جانیں سب محفوظ رکھی گئیں۔ زمینوں پر حسب قاعدہ شرعیہ خراج مقرر کر دیا گیا۔ (کامل ابن اثیر ص ۲۰۵ ج ۴۔ بلاذری ص ۴۲۵)

محمد بن مصعب سیوستان فتح کر کے محمد بن قاسم کے پاس واپس آئے تو اس علاقہ کے چار ہزار جاٹ بھی ساتھ آئے جو مسلمانوں کے معاملات و اخلاق دیکھ کر بخوشی مشرف باسلام ہو گئے تھے اور اب اسلامی لشکر میں شامل ہونا چاہتے تھے۔ (بلاذری ص ۴۲۵)

فتح مدھیہ صلحاً اور زمینوں پر تقرر خراج

سیوستان کی فتح کے بعد اسلامی لشکر مقام بدھیہ کی طرف بڑھا۔ یہاں کے حاکم کا کا نامی نے اول تو مسلمانوں پر شب خون مارنے کے لیے ایک ہزار بہادر جاٹوں کا لشکر منتخب کیا مگر اس میں ناکامی رہی اور یہ کچھ پرانی کتابوں کا علم بھی رکھتا تھا جن میں اس نے پڑھا تھا کہ مسلمان ہندوستان کو ضرور فتح کر لیں گے۔ اس لیے کا کا مع اپنے سرداروں کے محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ محمد بن قاسم نے اس کا بڑی عزت سے استقبال کیا اور امیر ہند کے ساتھ خطاب کیا۔ خلعت دیا اور اپنے ساتھ بطور مشیر کے ان کو رکھ لیا۔ ان

کے علاقہ کو اسلامی لشکر نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا بلکہ محمد بن قاسم نے ان کی زمینوں پر جو خراج مقرر کیا وہ بھی کاکا کے مشورہ سے عمل میں آیا۔ (آئینہ حقیقت نما ص ۸۹)

عبور دریا اور راجہ داہر کا مقابلہ

اس وقت تک جتنے شہر فتح کئے تھے محمد بن قاسم نے چند روز شہر بیرون میں مقیم ہو کر ان کا پورا پورا انتظام کر دیا تھا۔ اور باشندگانِ سندھ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے تھے۔ اب حجاج بن یوسف کا خط ان کے نام پہنچا کہ دریا کو عبور کرو اور راجہ داہر سے فیصلہ کن جنگ کر کے سراندیپ سے آئے ہوئے مسلمان جو اس کے ہاتھ میں قید ہیں ان کو رہائی دلاؤ۔

محمد بن قاسم نے ایک عجیب انداز سے دریا پر کشتیوں کا پل باندھ دیا اور اسلامی فوج دریا عبور کر گئی اسلامی لشکر اس وقت پندرہ ہزار تھا مگر راجہ داہر کی فوج میں پچیس تیس ہزار زرہ پوش سپاہی دس ہزار نیزہ بردار اور ساٹھ جنگی ہاتھی تھے۔ (آئینہ ص ۵۲)

داہر نے اول اپنے بیٹے جیسیہ کو مقابلہ پر بھیجا وہ شکست کھا کر فرار ہوا تو پھر خود مقابلہ پر پہنچا کئی روز تک مسلسل نہایت سخت جنگ رہی جس کے نظائر تاریخ میں کم ہیں بالآخر ۱۰ رمضان ۹۸ھ روز پنجشنبہ کو داہر ایک عرب کے ہاتھ سے ہلاک ہوا۔

(کامل ص ۲۰۵ ج ۴۔ بلاذری ص ۴۱۶)

اور گویا پورے ملک سندھ پر مسلمانوں کے قبضہ کا وقت آ گیا۔

قلعہ راور یا روہڑی کی فتح عنوۃً

اس کے بعد اسلامی لشکر مقام راور (جس کو اب روہڑی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے) کی طرف بڑھا۔ یہاں راجہ داہر کی بیوی مع چند سرداروں اور چھ ہزار سپاہیوں کے پناہ گزیں تھی، اس کو جب اسلامی لشکر کی خبر ملی تو گرفتاری کے خوف سے اپنے آپ کو اور اپنی سب کنیزوں کو اور تمام اموال کو خود اپنے ہاتھ نذرِ آتش کر دیا۔ فوج نے مقابلہ کیا اور ہلاک

ہوئی۔ اور قلعہ راور یا روہڑی بھی عنوۃً فتح ہو گیا۔ (بلاذری ص ۴۲۶۔ کامل ص ۲۰۵ ج ۴)

ساوندری اور سمد کی فتح صلحاً

روہڑی کے بعد محمد بن قاسم روبغرور کا ارادہ کر رہے تھے کہ اہل ساوندری صلح و امان کی درخواست لے کر خود حاضر ہو گئے۔ ان کو امان دیا گیا اور شہر ساوندری[1] صلحاً فتح ہو گیا۔ اس کے بعد مقام سمد کی طرف بڑھے۔ یہاں کے لوگوں نے بھی صلح کے ساتھ اپنے شہر پر قبضہ دیدیا۔ ان کو بھی امان دیا گیا۔ (کامل ص ۲۰۶ ج ۴)

روربغرور کی فتح صلحاً اور زمینوں پر خراج کا تقرر

روربغرور کے نام سے چند شہر پہاڑ پر آباد تھے۔ اسلامی لشکر نے کئی مہینہ تک ان کا محاصرہ کیا بالآخر یہاں کے حکام و امراء نے بھی صلحاً یہ شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیئے۔ اس شرط پر کہ ان کو اور ان کے مندروں کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے۔ محمد بن قاسم نے یہ شرط قبول کر لی۔ اور ان کی زمینیں انہی کے قبضہ و ملک میں باقی رکھ کر ان پر خراج مقرر کر دیا اور ایک مسجد تعمیر کی۔ (فتوح البلدان ص ۴۲۷)

برہمن آباد کی فتح اور زمینوں پر مالکانِ سابق کی ملکیت برقرار

راجہ داہر کا بیٹا جیسیہ اپنے باپ کے قتل ہونے کے بعد اپنے رشتہ داروں اور سرداروں کو لے کر قلعہ برہمن آباد میں مقیم ہوا اور یہاں اسلامی لشکر کے مقابلے کے لیے قوت جمع کرنا شروع کی۔ برہمن آباد شہر منصورہ سے چند میل کے فاصلہ پر قدیم شہر تھا۔ جواب کہیں موجود نہیں۔ بلاذری اپنے زمانہ کا حال لکھتے ہیں کہ یہ شہر اب ویران ہے۔

محمد بن قاسم نے اپنے احکام و اعلان برہمن آباد اور سندھ کے ان تمام شہروں میں جو ابھی فتح نہیں ہوئے تھے، بھجوا دیئے کہ جو شخص اطاعت قبول کرے گا اور پر امن رہنے کا یقین دلائے گا اس کی تمام خطائیں معاف کر دی جائیں گی اور کسی قسم کی باز پرس اس سے نہ ہو گی۔

(آئینہ حقیقت نما ص ۹۴)

---

[1] بلاذری فتوح البلدان میں اپنے زمانہ کا حال لکھتے ہیں کہ اس وقت اہل ساوندری سب کے سب مسلمان ہیں ۱۲

جیسیہ کا وزیر سی ساگر ایک ہوشیار مآل اندیش آدمی تھا، اس نے ان عورتوں اور بچوں کو جنھوں نے بندرگاہ دیبل پر گرفتار ہوتے وقت یا حجاج اغثنی کہہ کر پکارا تھا اور جو دارالسطنت الور میں تھے اپنی زیرِ حفاظت رکھا اور جب قلعہ راور (روہڑی) سے جیشیہ کے ہمراہ برہمن آباد آیا تو ان قیدیوں کو بھی ہمراہ لایا۔ سی ساگر کو اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ مسلمانوں کا مقابلہ اب دشوار ہے۔ اس نے جب محمد بن قاسم کے اعلان کا حال برہمن آباد میں سنا تو اپنے بعض معتمد خفیہ طور پر محمد بن قاسم کے پاس بھیجے اور لکھا کہ وہ عورتیں اور بچے جنھوں نے حجاج کی دہائی بندر دیبل پر دی تھی، میرے قبضہ میں اب تک موجود ہیں۔ میں ان کو آپ کی خدمت میں پیش کردوں گا۔

بشرطیکہ آپ مجھ کو جان کی امان دیں اور کسی قسم کا نقصان نہ پہنچائیں۔ محمد بن قاسم نے فوراً سی ساگر کے نام کا امان نامہ لکھ کر اس کے معتمدوں کے سپرد کر دیا۔

اس کے بعد مسلمانوں نے مقام دہلیلہ کو فتح کیا اور بنو یہ پسر وہارن کو جو یہاں کا رئیس تھا اپنی طرف سے حاکم مقرر کیا۔ پھر برہمن آباد کی طرف لشکر اسلام روانہ ہوا جب قریب پہنچا تو وزیر سی ساگر چپکے سے مع مسلمان قیدیوں کے برہمن آباد سے نکل کر محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ جیسیہ کو جب سی ساگر کے نکل جانے کا حال معلوم ہوا تو اس نے دوسرے سرداروں اور امیروں کو چالیس ہزار فوج کے ساتھ برہمن آباد کی حفاظت کا ذمہ دار بنایا اور خود تھوڑی سی فوج لے کر اس لیے شہر سے نکل گیا کہ مسلمانوں پر باہر سے حملہ کرنے کے لیے امدادی فوجیں لے کر آئے گا۔

محمد بن قاسم نے سی ساگر کی آمد کا حال سن کر اس کے استقبال کے لیے امراء کو روانہ کیا اور جب سامنے آیا تو نہایت عزت کے ساتھ اپنے برابر بٹھایا اور اپنے ارادوں اور خاص رازوں پر اس کو مطلع کیا اور اپنی وزارت کا منصب جلیل اس کو عطا کیا۔ اس وزیر نے محمد بن قاسم کے عدل وانصاف اور رحم و کرم کی بہت تعریف کی اور کہا کہ

''آپ نے باشندگان سندھ کے ساتھ اچھا سلوک کیا ہے اور مال گزاری و

ٹیکس کے معاملہ میں اس قدر نرمی اختیار کی ہے کہ تمام ملک آپ کا گرویدہ
ہوگیا لہٰذا بہت جلد ملک کے باقی حصے بھی آپ کے قبضے میں آ جائیں گے۔"

محمد بن قاسم نے برہمن آباد کے مشرق کی جانب نہر جلوال کے کنارے قیام کیا اور لشکر گاہ کے گرد خندق کھدوا کر برہمن آباد کی تسخیر کے درپے ہوا۔ اول اس نے اپنا ایلچی بھیج کر شہر والوں کو اطاعت قبول کرنے کی دعوت دی۔ مگر شہر والوں نے مقابلہ کی تیاری کی۔ یہاں راجہ داہر کی دوسری رانی جس کا نام لاڈی تھا موجود تھی۔ اس نے سرداران لشکر کو معرکہ آرائی کی تاکید کی۔ اس طرح تقریباً چھ مہینے تک برہمن آباد نے مقابلہ کیا۔ برہمن آباد کا قلعہ ہندوستان کی قلعوں میں بہت ناقابلِ تسخیر قلعہ سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے محاصرہ اس قدر طویل ہوا۔ جیسیہ نے باہر سے امدادی فوجیں بھیجیں۔ مسلمانوں کو اس محاذ پر سامانِ رسد ختم ہوجانے کے سبب سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔ محمد علافی جو پانسو مسلمانوں کے ساتھ دارالخلافہ عراق سے بغاوت کر کے راجہ داہر کے پاس پناہ گزین تھا، وہ دیبل کے محاذ پر بھی راجہ داہر کی فوج میں مسلمانوں کے مقابلہ پر آیا تھا اور برہمن آباد کے محاذ پر بھی۔ بالآخر جیسیہ اور محمد علافی دونوں شکست کھا کر بھاگے اور منتشر ہوگئے۔ اور مسلمانوں کو سامانِ رسد حاصل کرنے کا موقع مل گیا۔ ادھر چھ مہینے تک محصور رہنے کے بعد برہمن آباد کے باشندوں نے سامانِ رسد کی نایابی سے پریشان ہوکر محمد بن قاسم کے پاس درخواست بھیجی کہ:

"اگر آپ ہم کو مال و جان کی امان دیں تو ہم شہر کا دروازہ کھول دیں۔"

یہ درخواست باشندگانِ شہر کی طرف سے تھی۔ فوج اور فوج کے سرداروں کی طرف سے نہ تھی۔ لہٰذا محمد بن قاسم نے کہلا بھیجا کہ:

ہم ان تمام لوگوں کو جان و مال کی امان دیتے ہیں جو ہتھیار بند نہ ہوں۔ جو
شخص مسلح نظر آئے گا وہ گرفتار کرلیا جائے گا اور جو مقابلہ کرے گا قتل ہوگا۔"

شہر والوں نے موقع پا کر دروازہ کھول دیا۔ اور مسلمانوں نے فصیل شہر پر چڑھ کر نعرہ تکبیر بلند کیا۔ اندرونی فوج نے دوسرا دروازہ کھول کر بھاگنا شروع کیا۔ اسلامی فوج نے

تعاقب کا ارادہ کیا تو محمد بن قاسم نے روک دیا کہ جو شخص اپنی جان بچانے کے لیے بھاگتا ہے اسے بھاگ جانے دو۔ باشندگانِ شہر سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ سوداگر، دکاندار اور اہل حرفہ بدستور اپنے مشاغل میں مصروف رہے، امن وامان کا اعلان کر دیا گیا۔

راجہ داہر کی دوسری رانی لاڈی جو برہمن آباد میں مقیم تھی اس نے اسلام قبول کر کے بخوشی محمد بن قاسم کے نکاح میں آنا قبول کیا۔ جنگی قیدی پیش ہوئے تو سب کو رہا کر دیا گیا۔

محمد بن قاسم کی طرف سے جزیہ اور زمینوں کے خراج اور ان کی ملکیت بحال رہنے کا اعلان

اس کے بعد یہ اعلان کیا گیا کہ جو لوگ امراء کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہوں ان سے چودہ تولہ اور جو دوم درجہ کے خوشحال لوگ ہیں ان سے سات تولہ اور عوام سے پونے چار تولہ چاندی سالانہ بطور جزیہ وصول کی جائے گی۔ جو اسلام قبول کرے گا وہ اس جزیہ سے معاف کیا جائے گا اس سے اسلامی قانون کے موافق زکوٰۃ لی جائے گی۔ جو شخص اپنے باپ دادا کے مذہب پر چلے اس سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا نہ ان کے مندروں اور عبادت خانوں میں کسی قسم کی مداخلت کی جائے گی نہ زمینیں چھینی جائیں گی نہ مکان واموال کو کسی قسم کا نقصان پہنچایا جائے گا۔

مالکانِ اراضی بدستور اپنی اپنی زمینوں کے مالک رہیں گے۔ اور زمینوں کی مال گزاری وغیرہ کا انتظام خود باشندگان سندھ کے ہاتھوں میں رہے گا، وغیرہ۔

(آئینہ حقیقت نما بلفظہ ص ۹۶)

شہر ستھ کی فتح صلحاً

محرم ۹۴ھ میں محمد بن قاسمؒ لوہانہ فتح کرتے ہوئے مقام ستھ پر پہنچے یہاں کے لوگوں نے آمد کی خبر سن کے ننگے پاؤں اور ننگے سر شہر سے نکل کر استقبال کیا اور رحم وعفو کی درخواست کی۔ وہ منظور کی گئی اور امن وصلح کے ساتھ اس شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

(آئینہ ص ۹۷)

شہر الور کی فتح صلحاً

اس کے بعد محمد بن قاسم الور کی جانب روانہ ہوئے ۔ یہ شہر محمد بن قاسم کی حملہ آوری کے وقت سندھ کا دارالسلطنت تھا۔ اب یہ شہر موجود نہیں ہے۔ اس کا محلِ وقوع روہڑی سے آٹھ میل جنوب کی جانب ہے۔

دارالسلطنت الور میں راجہ داہر اپنے چھوٹے بیٹے فیوفی کو حاکم مقرر کر کے لڑائی کے لیے نکلا تھا۔ فیوفی ابھی تک وہاں کا حکمران تھا۔ جیسیہ نے اپنے چھوٹے بھائی فیوفی کو برہمن آباد روانہ ہوتے وقت لکھا تھا کہ تم فوج کی فراہمی اور لڑائی کی تیاری میں مصروف رہو۔ چنانچہ الور بھی اسلامی لشکر کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح تیار ہو چکا تھا الور کے قریب پہنچ کر ایک میل کے فاصلہ پر اسلامی لشکر نے قیام کیا۔ شہر والوں نے آپس میں مشورے کرنے شروع کئے کہ مسلمان اپنے وعدہ کے بڑے پکے ہیں۔ برہمن آباد والوں کی طرح اگر ہم بھی امان طلب کر لیں تو ہم کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچے گا۔ اور اگر ہم نے لڑائی میں شرکت کی تو ممکن ہے کہ پھر مسلمان ہمیں جان و مال کا امان نہ دیں۔

ان چہ میگوئیوں کا حال فیوفی کو معلوم ہوا تو وہ مقابلہ اور معرکہ آرائی سے ہمت ہار بیٹھا۔ اس نے یہی مناسب سمجھا کہ اپنے ہمراہیوں کو لے کر شہر سے نکل جائے۔ چنانچہ راتوں رات شہر سے نکل گیا اور اپنے بھائی جیسیہ کے پاس جو راجپوتانہ کے کسی مقام میں ٹھہرا ہوا تھا پہنچ گیا۔ شہر والوں نے اپنا قاصد محمد بن قاسم کے پاس بھیجا اور عرض کیا کہ ہمارا راجہ داہر مارا جا چکا ہے اور راجہ داہر کا بیٹا فیوفی بھی ہم کو چھوڑ کر شہر سے بھاگ گیا ہے ہم نے آپ کے عدل و انصاف اور رحم دلی کی بہت تعریف سنی ہے اسی امید پر ہم درخواست کرتے ہیں کہ ہم کو جان و مال کی امان دی جائے تا کہ ہم آپ کے لیے شہر کے دروازے کھول دیں۔

محمد بن قاسم کا وعدۂ امان

محمد بن قاسم نے کہا کہ میں نے ہر مقام پر خود لوگوں کو اطاعت قبول کرنے کی ترغیب دے کر یہ وعدہ کیا ہے کہ تم کو جان و مال کی امان دی جائے گی مگر تم نے میرے پیغام سے بھی

پہلے اطاعت پر اپنی آمادگی ظاہر کی ہے۔ لہٰذا میں تم کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

(آئینہ حقیقت نما ص ۵۸)

اہل شہر نے یہ وعدہ معلوم کر کے شہر کے دروازے کھول دیئے اور مسلمان امن و صلح کے ساتھ دار السلطنت میں داخل و قابض ہو گئے۔

قلعہ یابیہ کی فتح صلحاً

الور کے بعد محمد بن قاسم قلعہ یابیہ کی طرف بڑھے جو دریائے بیاس کے جنوبی کنارے پر تھا۔ اس قلعہ میں راجہ داہر کا چچازاد بھائی کاکسا ابن چندر مقیم تھا۔ جو راجہ داہر کے مقتول ہونے پر اس قلعہ میں پناہ گزیں ہو گیا تھا۔ یہ بہت بڑا عالم، فاضل اور دانش مند شخص تھا۔ جب محمد بن قاسم اس قلعہ کے قریب پہنچے تو کاکسا بلا تامل محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ محمد بن قاسم بڑی عزت و محبت کے ساتھ پیش آئے۔ اس کے خاندان اور علم و فضل سے واقف ہو کر محمد بن قاسم نے اس کو اپنا مصاحب و وزیر اور سپہ سالار بنایا اور تمام فوجی سرداروں کو حکم دیا کہ میرے بعد کاکسا تم سب کا افسر اعلیٰ ہے۔ ساتھ ہی اس کو اپنی مہر اور خزانہ کا چارج بھی سپرد کر دیا۔ اور دربار میں اس کے لیے اپنے برابر کرسی دی۔ اور آئندہ اس کے مشوروں کو تمام کاموں میں مقدم سمجھنے لگے۔ (آئینہ حقیقت نما ص ۹۹)

فتح اسکلندرہ عنوۃً

یہاں سے محمد بن قاسم دریائے بیاس کے پار قلعہ اسکلندرہ کی طرف آئے یہاں کے حاکم نے جو حاکم ملتان کا بھتیجا تھا نہایت سختی سے مقابلہ کیا۔ سات روز تک جنگ کا ہنگامہ برپا رہا۔ آٹھویں روز حاکم اسکلندرہ بھاگ کر ملتان چلا گیا اور قلعہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

قلعہ سکہ کی فتح عنوۃً اور اہل شہر کے لیے امان جان و مال

قلعہ سکہ دریائے راوی کے جنوب میں واقع تھا۔ یہاں کے حاکم بجے رائے نے سترہ روز تک مقابلہ کیا۔ آخر یہ قلعہ بھی فتح ہوا اور محمد بن قاسم نے اہل قلعہ کو امان دے کر عتبہ بن

سلمہ تمیمی کو یہاں کا حاکم مقرر کر دیا۔

ملتان کی فتح عنوۃً اور باشندگانِ شہر کیلئے جان و مال کی امان و معافی کا اعلان

اس کے بعد محمد بن قاسم نے دریائے راوی کو عبور کر کے ملتان کا محاصرہ شروع کیا۔ یہاں کا حاکم گورسیہ پسر چندر تھا جو کاکسا کا حقیقی اور داہر کا چچا زاد بھائی تھا۔ دو مہینہ تک اس نے ملتان میں محصور رہ کر لشکر اسلام کا مقابلہ کیا۔ آخر وہ ملتان سے نکل کر راجہ کشمیر کے پاس چلا گیا اور مسلمانوں نے بزور شمشیر ملتان پر قبضہ کیا اور اہل شہر کو کسی قسم کا نقصان پہنچائے بغیر امن و امان اور معافی کا اعلان کیا۔ محمد بن قاسم نے ہر جگہ شہروں کو لوٹنے اور رعایا کے اموال پر قبضہ کرنے سے اپنے سپاہیوں کو روکا تھا۔ اس نے اب تک صرف فوجی سامان اور سرکاری روپیہ پر ہی قبضہ کیا تھا۔ مندروں کی مورتیوں کو جو سونے سے بنی ہوئی اور جواہرات سے مرصع تھیں کسی نے ہاتھ نہ لگایا۔ رعایائے ملتان کو ان کے اطمینان کے لیے محمد بن قاسم نے ایک فرمان جان و مال کی امان کے متعلق لکھ دیا۔ اور داؤد بن نصیر بن ولید عمانی کو ملتان کا حاکم مقرر کیا اور ایک مسجد یہاں تعمیر کی۔ برہمن آباد، الور وغیرہ کی طرح یہاں بھی مسلمانوں کے اخلاق و معاملات دیکھ کر لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے شروع ہوئے۔ جس وقت محمد بن قاسم حدود سندھ میں داخل ہوئے تو ان کے ساتھ صرف بارہ ہزار شامی اور عراقی لوگوں کا لشکر تھا اور صرف ڈیڑھ سال میں ملتان فتح کرتے وقت پچاس ہزار کی فوج تھی جن میں اڑتیس ہزار ہندوستانی نو مسلم تھے۔

(آئینہ حقیقت نما ص ۱۰۰)

حجاج بن یوسف کے فرامین بنام محمد بن قاسم

باشندگانِ ہند کی اراضی واموال وغیرہ سے متعلقہ احکام

اوپر بحوالہ فتوح البلدان بلاذری مذکور ہوا ہے کہ حجاج بن یوسف ثقفی امیر عراق جہاد سندھ کی طرف اس طرح متوجہ تھا کہ گویا وہ ہی اس فوج کی کمان کر رہا ہے۔ ہر تیسرے روز اس کی ڈاک سندھ پہنچتی تھی۔ اب وہ چند فرامین اس جگہ نقل کئے جاتے ہیں جو حجاج نے مختلف مواقع پر بنام محمد بن قاسم روانہ کئے ہیں۔ جن میں محمد بن قاسم کو سیاست و دیانت کے اصول بتلا کر ان کا پابند رہنے کا حکم ہے۔ نیز باشندگانِ سندھ اور ان کے اموال واراضی کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے، اس کا بیان ہے۔ ہمارا مقصود اگرچہ صرف آخری جزو سے متعلق ہے مگر ان فرامین کا پورا ہی نقل کر دینا مناسب معلوم ہوا کہ بہت فوائد پر مشتمل ہے۔

فتح دیبل کی خوشخبری سن کر حجاج نے محمد بن قاسم کو لکھا

''جب ملک پر تم قابض ہو جاؤ تو قلعوں کی استواری اور لشکر کی رفع احتیاج کے بعد تمام اموال وخزائن کو بہبود رعایا اور رفاہِ خلق میں خرچ کرو اور یاد رکھو کہ کاشتکاروں، کاریگروں، سوداگروں اور پیشہ وروں کی خوشحالی اور فارغ البالی سے ملک آباد و سرسبز ہوتا ہے۔ رعایا کے ساتھ ہمیشہ رعایت کرو تا کہ وہ تمہاری طرف محبت کے ساتھ راغب ہوں۔'' (آئینہ حقیقت نما ص ۱۰۴)

جب محمد بن قاسم بیرون میں مقیم تھے تو ان کو حجاج کا خط پہنچا

''اہل بیرون کے ساتھ نہایت نرمی اور دلدہی کا سلوک کرو۔ ان کی بہبودی کے لیے کوشش کرو۔ لڑنے والوں میں جو تم سے امان طلب کرے اس کو ضرور امان دو۔ کسی مقام کے اکابر سردار تمہاری ملاقات کو آئیں تو ان کو قیمتی خلعت اور انعام واکرام سے سرفراز کرو۔ عقل و دانائی کو اپنا راہبر بناؤ۔ جو وعدہ کسی

سے کرو اس کو ضرور پورا کرو۔ تمہارے قول و فعل پر سندھ والوں کو پورا پورا اعتماد و اطمینان ہو۔'' (ص ۱۰۴)

فتح سیوستان کے بعد حجاج کا خط پہنچا

''جو کوئی تم سے جاگیر و ریاست طلب کرے تم اس کو ناامید نہ کرو اور التجاؤں کو قبول کرو۔ امان و عفو سے رعایا کو مطمئن کرو۔ سلطنت کے چار ارکان ہیں، اول مدارات و درگزر و محبت۔ دوم سخاوت و انعام۔ سوم دشمنوں کی مزاج شناسی اور ان کی مخالفت میں عقل کو ہاتھ سے نہ دینا۔ چہارم قوت و شہامت۔ تم راجاؤں سے جو عہد کرو اس پر قائم رہو۔ جب وہ مالگزاری دینے کا اقرار کرلیں تو ہر طرح ان کی اعانت و امداد کرو۔ جب کسی کو سفیر بنا کر بھیجو تو اس کی عقل و امانت کو جانچ لو۔ اور جو شخص توحید الٰہی کا اقرار اور تمہاری اطاعت کرے اس کے تمام مال و اسباب اور ننگ و ناموس کو برقرار رکھو۔ لیکن جو اسلام قبول نہ کرے اس کو صرف اس قدر مجبور کرو کہ تمہارا مطیع ہو جائے۔ جو شخص بغاوت و سرکشی اختیار کرے اس سے تم لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ شریف اور رذیل میں امتیاز کرو۔ اور ایسا بھی نہ ہو کہ تمہاری صلح جوئی کو دشمن تمہاری کمزوری محسوس کریں۔ (آئینہ ص ۱۰۴)

فائدہ (ا):۔ اس فرمان میں اس کی بھی تصریح ہے کہ بعض لوگوں کو جاگیر اور جائداد بھی دی جائے گی اور ظاہر یہ ہے کہ یہ جاگیر سرکاری مقبوضات یا غیر مملوکہ جنگلات وغیرہ سے دی جائے گی۔ کیونکہ مملوکہ زمینیں تو مالکانِ اراضی کی ملکیت سے نہیں نکالی گئیں جیسا کہ اسی خط میں آگے مذکور ہے۔

(ب):۔ مالگزاری یعنی خراج دینے کا اقرار کر لینے پر ان کی امداد و اعانت کے حکم سے ظاہر ہوا کہ باشندگانِ سندھ کی زمینیں مالکانِ اراضی کی ملک سے نہیں نکالی گئیں بلکہ بدستور انہیں کی ملکیت کو برقرار رکھا ورنہ ان سے خراج و مالگزاری کا مطالبہ نہ ہوتا۔

محمد بن قاسم نے جب دریا کو عبور کرلیا اور راجہ داہر سے مقابلہ شروع ہو گیا تو ان کے

پاس حجاج بن یوسف کا یہ خط پہنچا۔

پنج وقتہ نماز پڑھنے میں سستی نہ ہو۔ تکبیر وقرات، قیام وقعود اور رکوع وسجود میں خدا تعالیٰ کے روبرو تضرع وزاری کیا کرو۔ زبان پر ہر وقت ذکر الٰہی جاری رکھو کسی شخص کو شوکت وقوت خدا تعالیٰ کی مہربانی کے بغیر میسر نہیں ہو سکتی۔ اگر تم خدا تعالیٰ کے فضل وکرم پر بھروسہ رکھو گے تو یقیناً مظفر ومنصور ہو گے۔

(آئینہ حقیقت نما ص ۱۰۵)

فائدہ۔ یہ فرمان کسی خلیفہ راشد یا متقی پرہیزگار امیر کا نہیں بلکہ ایک ایسے امیر کا فرمان ہے جو دنیائے اسلام میں سب سے بڑا ظالم، فاسق فاجر مشہور ہے۔ لیکن اس حقیقت پر وہ بھی اطمینان اور یقین رکھتا ہے کہ مسلمان قوم کی فتح وکامیابی صرف اور صرف اطاعت خداوندی اور بالخصوص نماز کے اہتمام اور پابندی کے ساتھ وابستہ ہے۔

آج کل کے زعماء امت کے لیے یہ ایک درسِ عبرت ہے جنہوں نے اسلامی سیاست کو صرف ظاہری تدبیروں میں منحصر کر رکھا ہے اور نماز روزہ اور احکام الٰہیہ کی اطاعت کو گو ضروری جانتے ہوں مگر مسلمانوں کے قومی اور ملی مفاد کے لیے اس کی کوئی خاص ضرورت نہیں سمجھتے۔ اسی لیے کسی وقت کسی مقام پر وہ ان شعائر دینیہ کے احیاء میں اس سرگرمی کے ساتھ مشغول نظر نہیں آتے جتنی کسی ادنیٰ الیکشن میں برتی جاتی ہے۔ حجاج بن یوسف کا یہ فرمان اگرچہ رسالہ ہذا کے موضوع سے متعلق نہیں لیکن اسی عبرت ونصیحت کے لیۓ اس کو یہاں نقل کیا گیا ہے۔

برہمن آباد کی فتح کے بعد جب محمد بن قاسم وہاں کا تمام انتظام کر چکا تو بہت سے مندروں کے پجاری ان کے پاس آئے اور کہا کہ ہندوؤں نے مسلمان سپاہیوں کے ڈر سے بتوں کی پوجا کے لیے مندروں میں آنا کم کر دیا ہے جس سے ہماری آمدنی میں فرق آ گیا ہے۔ مندروں کی مرمت بھی نہیں ہوئی۔ لہٰذا ہمارے مندروں کی تعمیر اور مرمت اور ہماری آمدنی کی تلافی آپ کو کرنی پڑے گی۔ محمد بن قاسم اس معاملہ میں اپنی رائے سے کوئی فیصلہ نہ کر سکے تو فوراً حجاج کے پاس ایلچی روانہ کیا اور برہمنوں کے مطالبہ کی تفصیل لکھ کر

مشورہ طلب کیا۔ حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کو خط لکھا:

''تمہارے خط سے معلوم ہوا کہ برہمن آباد کے ہندو اپنے مندروں کی عمارت درست کرنا چاہتے ہیں۔ چونکہ انہوں نے اطاعت قبول کرلی ہے لہٰذا ان کو اپنے معبود کی عبادت میں آزادی حاصل ہونی چاہیے۔ اور کسی قسم کا جبر کسی پر مناسب نہیں ہے۔'' (آئینہ حقیقت نما ص۱۰۶)

اس خط کے آنے کے بعد محمد بن قاسم نے برہمن آباد کے تمام اکابر و علماء کو بلایا اور برہمنوں کے حقوق و مراسم کی تحقیق کی۔ اور راجہ داہر کے زمانہ میں سلطنت کی طرف سے کیا کیا رعایتیں برہمنوں کو حاصل تھیں، سب کو معلوم کیا۔ اس کے بعد شہر میں اعلان کرادیا کہ:

''جو لوگ اپنے باپ دادا کی مراسم کے پابند ہیں ان کو ہر قسم کی آزادی ان مراسم کے بجالانے میں حاصل ہے، کوئی شخص معترض نہ ہو سکے گا، برہمنوں کو دان پن، دکشنا بھیٹ جس طرح پہلے دیتے تھے اب بھی دیں۔ اپنے مندروں میں آزادانہ پوجا پاٹ کریں، محاصل ملکی یعنی سرکاری مالگزاری میں سے تین روپیہ فیصدی برہمنوں کے لیے الگ خزانہ میں جمع کیا جائے گا۔ اس روپیہ کو برہمن جس وقت چاہیں اپنے مندروں کی مرمت اور ضروری سامان کے لیے خزانہ سے برآمد کرا سکتے ہیں۔''

محمد بن قاسم نے ایک مقام کو فتح کیا اور وہاں کے تمام حربی و غیر حربی لوگوں کو امان دیدی اور ہر قسم کا محصول و لگان بھی ان کو معاف کردیا اور تمام کیفیت حجاج کو لکھ کر بھیج دی۔ حجاج نے اس کے جواب میں خط لکھا:

''جو لوگ اہل حرب ہیں ان کو قتل کرو۔ جو مطیع ہیں ان کو امان دو۔ صناع تاجر پر کوئی محصول یا ٹیکس عائد نہ کرو۔ جو شخص زراعت میں زیادہ توجہ اور جانفشانی سے کام لیتا ہے اس کی مدد کرو اور اس کو تقاوی دو۔ جو لوگ اسلام سے مشرف ہوں ان سے زمین کی پیداوار کا عشر یعنی دسواں حصہ وصول کرو اور جو لوگ اپنے مذہب پر قائم رہیں ان سے وہی مالگزاری وصول کرو جو وہ اپنے راجاؤں کو دیا کرتے تھے۔ (آئینہ حقیقت نما ص۱۷۰)

عربی اور شامی سرداروں اور سپاہیوں کو بھی کہیں کہیں جاگیریں اور قطعات زمین دیئے گئے تھے مگر وہ تمام زمین اور قطعات ان کے اصل مالکوں کے پاس بدستور رہے۔ جاگیرداروں کا حق صرف اتنا تھا کہ جو زر مالگزاری سرکاری خزانہ میں داخل ہوتا وہ ان جاگیرداروں کو مل جاتا تھا۔ مگر چند ہی روز کے بعد پرانے مالک خود جاگیردار بن گئے اور عرب سردار کہیں سے کہیں منتقل ہو گئے اور انہوں نے ان جاگیروں کی کوئی پرواہ نہیں کی۔

مسلمانوں نے اس بات کا حد سے زیادہ خیال رکھا کہ ہماری حکومت سے ملک سندھ کے کسی طبقہ کو اور کسی قوم کو بھی اذیت نہ پہنچے۔ انہوں نے پست لوگوں کو ابھارا تو سہی لیکن بلند مرتبہ لوگوں کو پست کرنا نہیں چاہا۔ (آئینہ ص ۱۰۹)

حکومت سندھ کا دوسرا دور بعہد بنی اُمیّہ

اس زمانہ میں مسلمانوں کے باہمی مشاجرات اور امور خلافت میں تزلزل کے سبب ملک سندھ میں نظامِ حکومت اسلامی مختل ہوا۔ راجہ داہر کا بیٹا جیسیہ پھر برہمن آباد پر قابض و خود مختار بن گیا۔ اور داہر کے دوسرے بیٹے اور بھتیجے وغیرہ جن کو محمد بن قاسم نے چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا اپنی طرف سے حاکم بنا دیا تھا وہ سب خود مختار بن بیٹھے۔ یہاں تک کہ صفر ۹۹ھ میں خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کا انتقال ہوا اور افضل التابعین عمر ثانی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ان کی جگہ خلیفہ مقرر ہوئے۔ آپ نے عمر بن مسلم باہلی کو سندھ کا عامل (گورنر) مقرر کر کے بھیجا اور تمام ہندو راجاؤں کے نام مضمون ذیل کے خطوط لکھے:

> ''تم اسلام قبول کرلو۔ بت پرستی کی تاریکی سے نکل آؤ۔ اگر تم مسلمان ہو جاؤ گے تو ہم تم کو تمہاری ریاست پر بدستور قائم رکھیں گے تمہاری خطائیں معاف کردیں گے۔ تمہارے ساتھ سب مسلمانوں جیسا سلوک کریں گے اور اپنا بھائی سمجھیں گے۔''

جب یہ خطوط روساء سندھ کے پاس پہنچے تو سب سے پہلے جیسیہ ابن راجہ داہر نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔ اس کے بعد باقی تمام راجاؤں نے بھی جو عموماً اس کے

رشتہ دار تھے اسلام قبول کرلیا۔ سب نے اپنے پرانے ناموں کو چھوڑ کر عربی نام رکھ لئے۔

(فتوح البلدان للبلاذری ص ۴۲۹ وآئینہ حقیقت نما ص ۱۱۲ وابن اثیر ص ۵۰ ج ۵)

اراضئ سندھ کے متعلق خلاصۂ تحقیقات

مذکورالصدر تفصیل سے واضح ہوگیا کہ ملک سندھ پر اسلامی قبضہ ہونے کے بعد اس کی زمینیں عموماً دو قسم پر منقسم ہوگئیں۔

(۱) جو لوگ مسلمان ہوگئے ان کی زمینیں بدستور ان کی مِلک میں رہیں ان پر زکوٰۃِ زمین یعنی عشر لازم کیا گیا۔

(۲) جو مسلمان نہیں ہوئے مگر صلحاً یا عنوۃً مطیع ہوگئے ان کی بھی زمینیں ان کی مِلک سے نہیں نکالی گئیں نہ غانمیں میں تقسیم کی گئیں، بلکہ اراضئ شام وعراق اور مصر میں جو فاروق اعظمؓ کا عمل تھا اس کے مطابق رقبہ زمین پر مالکانِ اراضی کی ملکیت بدستور قائم رکھ کر ان کا خراج عام مسلمانوں کے لیے وقف دائمی کردیا۔

(۳) عربی اور شامی سرداروں کو جو جاگیریں دی گئیں یا تو وہ رقبہ زمین کی قسم سے نہ تھیں بلکہ سرکاری مالگزاری کی صورت سے تھیں اور یا وہ زمینیں ان کی جاگیر میں دی گئیں جو راجاؤں کی شاہی زمینیں تھیں اور جن پر اب مسلمانوں نے قبضہ کیا اور یا غیر مملوک زمینیں۔ بہر حال یہ عربی اور شامی لوگ بھی جن کو کوئی زمین دے دی گئی وہ اس کے مالک ہوگئے۔

الحاصل سندھ کی کل زمینیں باشندگانِ ملک کی انفرادی ملکیت رہیں حکومت کے زیر تصرف بجز ان شاہی مقبوضات کے اور کوئی زمین نہیں رہی جو راجاؤں کی املاک خاصہ سے لی گئیں یا غیر آباد زمینیں جن کے مالک لاوارث ہوگئے یا لاپتہ ہوگئے جن کو اصطلاحِ فقہاء میں اراضی حوز یا اراضی سلطانیہ یا اراضی بیت المال کہا جاتا ہے۔ اور جن لوگوں کو جاگیر میں کوئی زمین دی گئی وہ انہی زمینوں میں سے دی گئی۔

فتوح الہند
مع
تفصیلِ احکامِ اراضی

ہندوستان کے سب سے پہلے فاتح محمد بن قاسم صرف ساڑھے تین سال اس نواح میں رہے۔ اسی قلیل عرصہ میں انہوں نے پورا ملک سندھ اور پنجاب وغیرہ کے بہت سے حصص فتح بھی کیے اور اسلامی و شرعی نظام کے ماتحت ایک نہایت مستحکم اور قابل تقلید سلطنت بھی قائم کر دی۔ ۹۳ھ میں وہ اس طرف آئے اور ۹۵ھ میں فتح سندھ کی تکمیل ہوئی۔ فتح سندھ کے بعد نظامِ خلافت میں ایک گونہ اختلال ہو جانے کے سبب محمد بن قاسم کو مزید پیش قدمی سے روک دیا گیا اور سلطنت سندھ کے استحکام اور اس میں نظامِ شرعی کی ترویج پر ان کی تمام تر توجہ منعطف کر دی گئی۔ اس کے بعد ہندوستان پر مختلف دور آئے لیکن مسلمانوں نے تین سو برس تک پھر ہندوستان پر کوئی حملہ نہیں کیا۔ تقریباً تین سو برس اسی حال پر گزر گئے۔ چوتھی صدی ہجری کے وسط میں سندھ کا نظام حکومت بالکل مختل ہو گیا۔ کچھ ہندو راجاؤں نے قبضہ کر لیا اور کچھ قرامطہ نے تسلط جما لیا۔ ملتان کا تخت قرامطہ کے قبضہ میں چلا گیا۔ پنجاب کے راجہ قرامطہ کو ہر طرح کی امداد دے رہے تھے۔

فتح پنجاب

ضروری تمہید

اس سلسلہ میں جتنی تاریخی روایتیں اس رسالہ میں آنے والی ہیں ان سب کا اصل متن آئینہ حقیقت نما مصنفہ مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی ہے، شاذ و نادر کسی دوسری کتاب سے لیا گیا۔ آئینہ حقیقت نما کی تحریر پر اعتماد و اکتفاء اس لیے کیا گیا کہ اس کے مصنف مرحوم نے

جس قدر ہندوستانی تواریخ کو جمع کیا اور پھر ان کی تحقیق و تنقید میں پوری محنت و جانفشانی برداشت کی، وہ کسی دوسرے مؤرخ کو ہمارے علم میں میسر نہیں ہوئی۔ مصنف موصوف نے ہندوستان کی پچیس سے زیادہ مستند تواریخ مثلاً تاریخ فرشتہ، تاریخ بدایونی، خلاصۃ التواریخ، مفتاح التواریخ، طبقات ناصری، منہاج السراج، تاریخ بینٹر، تاریخ ایلفینسٹن، تاریخ بیہقی، طبقات اکبری، منتخب التواریخ، تاریخ زین المآثر، تاریخ سجان رائے، تاریخ ستارۂ ہند راجہ شیو پرشاد، روضۃ الصفا از خوندشاہ، تاریخ فیروز شاہی، ضیاء برنی مصنفہ ۷۵۸ھ سے اس کتاب کا مادہ اخذ کیا ہے اور پوری تحقیق و تنقید نہایت قابلیت کے ساتھ کی ہے۔ خصوصاً اس کا خیال رکھا ہے کہ جس دور حکومت کے متعلق معلومات لی جائیں وہ اسی دور کے مصنفین سے لی جائیں۔ چنانچہ سلطان محمود غزنوی اور ان کے خاندان سے متعلقہ حالات میں انہوں نے تاریخ ابوالفضل بیہقی پر زیادہ اعتماد کیا ہے کیونکہ اس کا مصنف اس خاندان کا ہمعصر سلطان مسعود ابن محمود کا میر منشی اور مصاحب خاص تھا اس نے ۴۵۱ھ میں اپنی یہ تاریخ لکھی ہے۔ (آئینہ ص ۲۱۱ ج ۱)

اسی طرح شہاب الدین غوری کے حالات میں زیادہ تر طبقات ناصری پر اعتماد کیا ہے جو منہاج السراج کی تصنیف ہے۔ ان کے والد مولانا سراج الدین، شہاب الدین غوری کی طرف سے ہندوستان کے لشکر میں قاضی اور امام مقرر تھے۔ (آئینہ ص ۲۳۹)

اسی طرح خاندان خلجی کے حالات میں فیروز شاہی ضیاء برنی پر اعتماد کیا ہے کہ وہ اس خاندان کا ہمعصر ہے چشم دید واقعات لکھتا ہے۔ اس لیے ہماری مفصلہ ذیل تاریخی معلومات بواسطہ آئینہ حقیقت نما کے انہی کتابوں کا خلاصہ ہیں۔

۳۶۷ھ میں سلطان ناصر الدین سبکتگین تخت غزنی کے حاکم و امیر مقرر ہوئے تو انہوں نے سب سے پہلے قرامطہ کے استیصال پر اپنی پوری قوت خرچ کی، سلطان کو اس طرف مشغول دیکھ کر راجہ جے پال نے غزنی پر ایک بڑے لشکر کے ساتھ حملہ کر دیا۔ مگر جب سلطانی افواج مقابلہ پر آئی تو جے پال نے محسوس کر لیا کہ ہم گرفتار ہو جائیں گے فوراً امیر ناصر الدین سبکتگین کی خدمت میں درخواست معافی و امان پیش کی اور وعدہ کیا کہ لاہور

واپس ہوکر بہت سا چاندی سونا بطور جرمانہ کے آپ کے پاس بھیجوں گا۔ سلطان نے باوجود مخالفت بعض امراءِ دولت کے اس کی درخواست کو منظور کرلیا۔ مگر جے پال نے دریائے سندھ کو عبور کرتے ہی عہد شکنی کی اور پھر تمام ہندوستانی راجاؤں کے پاس ایلچی بھیج کر ان کو غزنی سلطنت کے مقابلہ پر آمادہ کیا۔ ان سب راجاؤں کے تعاون واشتراک سے تین لاکھ لشکر جرار اور بہت سے ہاتھی لے کر جے پال نے دوبارہ سلطنت غزنی پر حملہ کیا۔ مقام لمغان پر جس کو اب جلال آباد کہا جاتا ہے یہ معرکہ ہوا۔ اس معرکہ میں بھی جے پال اور اس کے ساتھی شکست کھا کر بھاگے اور اب ہندوستان آ کر پورے ہندوستان کی طاقتوں اور ہندو عوام کو ملا کر سلطنت غزنی کے ختم کر دینے کا منصوبہ گانٹھا۔ اسی عرصہ یعنی ۳۸۷ھ میں امیر ناصر الدین سبکتگین بلخ کے قریب فوت ہوگئے اور تخت غزنی پر اول ان کے چھوٹے بیٹے اسمٰعیل اور پھر تقریباً چھ ماہ بعد بڑے بیٹے سلطان محمود غزنوی تخت نشین ہوئے اور ان کے تخت نشین ہوتے ہی بخارا، آذربائیجان اور فارس کی بغاوتیں اور قرامطہ کے فتنہ کا استیصال کرنے کی طرف متوجہ ہونا پڑا جس میں تین سال لگ گئے۔ اس عرصہ میں جے پال نے اپنی فوجی قوت بڑھانے اور سامان جنگ فراہم کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور بالآخر شوال ۳۹۱ھ میں تین سو ہاتھی، دس بارہ ہزار سوار اور تیس چالیس ہزار پیادوں کا لشکر جرار لے کر تیسری مرتبہ غزنی پر حملہ کے لیے چلا۔ دریائے سندھ کو عبور کیا۔ اس طرف سلطان محمود غزنوی اس کے حملہ کی خبر پا کر صرف دس ہزار لشکر کے ساتھ اس کے مقابلے کے لیے نکلے۔ پشاور کے قریب دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ مگر اس مرتبہ بھی جے پال کا لشکر پانچ ہزار لاشیں میدان جنگ میں چھوڑ کر اور جے پال کو مع پندرہ سرداروں کے گرفتار کرا کر لاہور کی طرف بھاگا۔ جے پال نے گرفتار ہونے کے بعد سلطان محمود غزنوی کی خدمت میں عرض کیا کہ:

> ''اس مرتبہ میری خطا اور معاف کی جاوے اور مجھ کو چھوڑ دیا جاوے میں اب تازیست فرمانبرداری سے انحراف نہ کروں گا اور پنجاب کو غزنی کا ایک صوبہ سمجھ کر آپ کی طرف سے حکومت کروں گا اور سالانہ خراج بلا عذر بھیجتا رہوں گا۔'' (آئینہ حقیقت نما ص ۱۵۹)

سلطان محمود نے انتہائی شراف سے راجہ کی استدعا کو قبول کیا اور غزنی سے لاہور کی طرف رخصت کر دیا۔ پشاور کے میدان میں ۶ محرم ۳۹۲ھ کو محمود نے فتح پائی اور جے پال گرفتار ہوا اور آٹھ ماہ قید رہنے کے بعد شعبان ۳۹۲ھ کو غزنی سے رخصت ہوا۔ لاہور پہنچا تو اپنے بیٹے انند پال کو جو میدان پشاور سے بھاگ نکلا تھا تخت لاہور کا فرمانروا پایا۔ بیٹے نے باپ کے لیے تخت خالی کرنا چاہا مگر جے پال نے انکار کر دیا اور انند پال کو محمود کی مخالفت نہ کرنے اور سالانہ خراج بھیجتے رہنے کی وصیت کر کے خود اپنے مذہبی عقیدے کے موافق (جو راجہ دومرتبہ دشمن کے ہاتھ میں گرفتار ہو جائے اس کو جل مرجانا چاہیے) آگ میں جل مرا۔

(آئینہ ص ۱۶۳)

راجہ جے پال کی خودکشی کے بعد ہندوستان میں فوراً ہی ایک ایسے مذہب کی بنیاد رکھی گئی جس میں بودھ مذہب اور برہمنی مذہب والے دونوں شریک ہو سکیں جس کو وشنومت کے نام سے موسوم کیا گیا۔ جس کا منشاء یہی تھا کہ دونوں مذہبوں کا باہمی اختلاف ختم کر کے پورے ہندوستان کا رخ مسلمانوں کے مٹانے کی طرف ہو جائے۔ انند پال ابن جے پال نے ایک طرف تو جے پال کا تسلیم کردہ خراج سلطنت غزنی کو روانہ کر کے سلطان محمود کو اس طرف سے مطمئن رکھا اور دوسری طرف اپنے باپ کا انتقام لینے کی آرزو میں برہمنوں اور بودھ عاملوں اور پنڈتوں سے خواہاں امداد کا رہا۔

ادھر محمود کے سامنے سب سے بڑی مہم قرامطہ کا استیصال تھا۔ جنہوں نے خلافت بغداد کی سخت توہین کی اور شعائر اسلامی کو پامال کیا۔ حج بیت اللہ سے حجر اسود کو اکھاڑ کر بحرین لے آئے اور لکھو کھہا حجاج کو شہید کیا تھا۔ سلطان محمود چونکہ اپنے آپ کو خلافت بغداد کا ایک نائب سمجھتا تھا اس لیے قرامطہ کے استیصال میں پوری ہمت صرف کر رہا تھا۔ اس عرصہ میں اس کے پاس اطلاع پہنچی کہ قرامطہ نے ایک مہم بذریعہ جہازات بندرگاہ دیبل (موجودہ کراچی) اور ٹھٹہ میں بھیجی ہے اور ان قرامطہ نے سندھ میں وارد ہو کر سندھ کے راجاؤں سے محمود کے خلاف معاہدے اور ہر قسم کی امداد پہنچانے کے وعدے کیے جس کا نتیجہ

یہ ہوا کہ انند پال کی حمایت پر اس طرف کے عام راجا آمادہ ہو گئے۔

اور حمید خاں لودی کا پوتا یا نواسا داؤد بن نصر والی ملتان بھی قرامطہ اور انند پال کے معاہدوں میں شریک ہو کر قرامطہ کے لیے ملجا و ماویٰ بن گیا۔ ملتان کی ریاست کے متصل ایک اور ریاست تھی جس کو بھاطنہ یا بھنڈا یا بھیرہ وغیرہ ناموں سے مؤرخین نے تعبیر کیا ہے۔ اس کا والی بجے رائے تھا۔ اس ریاست میں بھی قرامطہ کا اجتماع تھا۔ ۳۹۵ھ میں محمود نے بجے رائے کے پاس پیام بھیجا کہ تم ہمارے دشمن قرامطہ کو جگہ نہ دو ورنہ ہمارے تمہارے درمیان جنگ قائم ہو جائے گی۔ بجے رائے نے اس کا سختی سے جواب دیا۔ سلطان محمود فوراً بجے رائے کی ریاست پر حملہ آور ہوئے۔ بجے رائے پہلے سے تیار تھا۔ تین روز تک سخت مقابلہ کیا بالآخر شکست کھا کر بھاگا اور بھاگتے ہوئے گرفتار کر لیا گیا۔ پھر خودکشی کر کے مر گیا۔ اس کے ساتھ جو قرامطہ تھے کچھ مارے گئے باقی نے ملتان جا کر پناہ لی۔ اس لیے سلطان محمود کو اب ملتان پر حملہ کرنا ناگزیر ہو گیا۔ ۳۹۶ھ میں سلطان محمود نے والی ملتان کو غافل رکھ کر حملہ کرنے کے خیال سے سیدھا راستہ چھوڑ کر درّہ خیبر کی راہ سے پنجاب میں ہو کر ملتان پہنچنے کا قصد کیا۔ راجہ پنجاب انند پال ان کا باج گزار تھا۔ اس لیے پنجاب نے دریائے سندھ پر آ کر سلطان محمود کو روکنا چاہا سلطانی لشکر سے مقابلہ ہوا تو انند پال شکست کھا کر کشمیر بھاگ گیا۔ سلطان نے اپنے اصلی مقصد ملتان کی طرف رخ کیا۔ یہاں کے والی داؤد بن نصر نے جو قرمطی ہو کر دائرہ اسلام سے خارج ہو چکا تھا محصور ہو کر سلطان سے معافی کی درخواست کی اور قرمطی مذہب سے توبہ کی اور اقرار کیا کہ:

''آئندہ قرامطہ سے کوئی تعلق نہ رکھوں گا اور بیس ہزار درہم سالانہ خراج دارالسلطنت غزنی کو روانہ کرتا رہوں گا۔''

سلطان محمود نے داؤد کی توبہ قبول کر کے سکھ پال (نومسلم نواسہ شاہ) کو جو ریاست ملتان کی متصلہ ریاست پر مامور تھا، داؤد بن نصر کے اقوال و افعال کی نگرانی کے لیے مامور کر کے غزنی کی طرف روانہ ہو گیا۔ ۳۹۸ھ میں سلطان محمود کو اطلاع ملی کہ سکھ پال جس کو

سلطان نے اپنا قائم مقام بنا کر ملتان میں چھوڑا تھا وہ اپنے ماموں انند پال کی ترغیب و سازش سے مرتد ہوگیا۔ اس طرف انند پال نے بودھ عالم اور ہندو پنڈتوں برہمنوں کے ذریعہ جو تحریک ہندوستان میں سلطان محمود اور مسلمانوں کے خلاف جاری کر رکھی تھی وہ اس عرصہ میں انتہا کو پہنچ گئی۔ اس وقت انند پال نے ہندوستان بھر کے تمام راجاؤں کے پاس قاصد اور خطوط بھیجے اور لکھا اب ہم سب کو اپنے ملک کی حفاظت اور محمود کی ہلاکت کے لیے متفقہ طور پر میدان میں آ جانا چاہیے۔ چنانچہ اطراف ہندوستان سے انند پال کی امداد کے لیے فوجیں آنی شروع ہوگئیں۔ راجہ گجرات، راجہ بھٹنڈہ، راجہ دہراہ دون راجہ سونی پت، راجہ برن، راجہ متھرا، راجہ اسونی (ضلع فتح پور) راجہ بندیلکھنڈ، راجہ سرسوا گڈھ، راجہ قنوج، راجہ کانجر، اور اسی طرح راجہ اجین، گوالیار، اجمیر، دہلی، تھانیسر، نگرکوٹ، کشمیر، راجہ مالوہ، راجہ میرٹھ دھرم دت وغیرہ سب کے سب اپنی اپنی فوجیں اور خزانے لے کر لاہور پہنچ گئے۔ غرض گجرات سے بہار تک اور کشمیر سے قنوج تک تمام براعظم ہند کے راجا اپنی قدیم رقابتوں کو نظر انداز کر کے سب نے مسلمانوں کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنالیا ادھر جدید برہمنی مذہب کے پنڈتوں اور بودھ مذہب کے پیشواؤں نے اور انکے ساتھ قرامطہ نے ایک سنگھٹن قائم کر کے صرف راجاؤں ہی میں نہیں بلکہ عام ہندوستان کی رعایا میں بھی مذہبی جوش وخروش اور قتل وخونریزی کے جذبات پیدا کر دیئے یہاں تک کہ ماؤں نے اپنے بیٹوں کو اور بیویوں نے اپنے شوہروں کو لڑائی میں جانے اور مارنے مرنے کی ترغیب دی۔ خوشحال گھروں کی عورتوں نے زیورات سے اور غریب بیوا عورتوں نے سوت کات کات کر مزدوری کے پیسوں سے اس جنگ میں امداد دی۔

انند پال نے لاہور میں متحدہ فوج کی عظیم الشان تعداد جمع ہونے کے بعد پشاور کی طرف کوچ کیا اور دوسری طرف مذہبی پیشوا پنڈت وغیرہ اس میں مشغول رہے کہ لوگوں کو شہروں اور قصبوں سے برابر امداد کے لیے روانہ کرتے رہیں۔ یہ پورے ہندوستان کی طاقتوں پر مشتمل ٹڈی دل فوج میدان پشاور میں آ کر خیمہ زن ہوئی۔

سلطان محمود خبر پا کر مقابلہ کے لیے نکلے اور سامنے پہنچ کر خیمہ زن ہو گئے۔ تقریباً چالیس روز تک دونوں لشکر ایک دوسرے کے بالمقابل خیمہ زن رہے۔ کسی طرف سے پیش قدمی نہیں ہوئی۔ محمود نے جب یہ محسوس کیا کہ روز بروز ہندو افواج کے دستے امدادی بڑھتے جا رہے ہیں تو دشمن کی بے شمار فوج کے مقابلے میں اپنی فوج کی انتہائی قلت اور بے سروسامانی پر نظر ہونے کے باوجود اللہ کے نام پر ایک ہزار تیر اندازوں کو حملہ کا حکم دے دیا۔ اس طرف انند پال نے تیس ہزار گھکڑوں کی جمعیت کو عقب سے ان پر حملہ کے لیے بھیج دیا جس نے محمودی لشکر کے اندر گھس کر قیامت برپا کر دی۔ اور چشم زدن میں چار پانچ ہزار مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ لیکن ان سب آفتوں کے باوجود مسلمانوں کی روایتی شجاعت اور شوق شہادت نے انہیں پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر مضبوطی کے ساتھ قائم رکھا۔ لڑائی کے شروع میں ہر ہندو کو اپنی فتح کا یقین اور ہر مسلمان کو اپنی سعادت شہادت کی آرزو تھی۔ مگر جوں جوں وقت گزرتا گیا معاملہ برعکس ہوتا گیا۔ انند پال جو فتح مندی کے غرور میں اپنے ہاتھی کو سپاہیوں کا دل بڑھانے کے لیے صفِ قتال میں بڑھا لایا تھا۔ غروب آفتاب کے قریب مسلمانوں کو پیچھے دھکیلنے اور پامال کرنے سے مایوس ہو کر خود پیچھے ہٹا اور اپنے ہاتھی کا منہ موڑا۔ سپہ سالار کو پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھ کر ہندو سپاہی جو مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنی تمام طاقتوں کو بیکار و بلا نتیجہ پا چکے تھے صفوں کو توڑ تاڑ کر ایسے پتا توڑ کر بھاگنے شروع ہوئے کہ پچھلوں کو اگلوں سے کچھ بھی دریافت کرنے کا موقع نہ ملا اور یہ فوجی سمندر اس تیز رفتاری سے ہزاروں شاخوں میں منشعب ہو کر بہنے لگا کہ تاریکی پھیلنے سے پہلے پہلے ہندوستانی افواج کا کیمپ بالکل خالی اور سنسان ہو گیا۔ اس فتح کے بعد سلطان محمود نے فوج کو دو روز آرام دینے کے بعد فوراً ہی انند پال کا تعاقب شروع کیا۔ انند پال اس تعاقب کے خوف سے بجائے اپنے دارالسلطنت لاہور کے نگر کوٹ پہنچ گیا۔ سلطان محمود بھی سراغ لگا کر نگر کوٹ پر حملہ آور ہوئے۔ انند پال کسی خفیہ راستے سے یہاں سے بھی کھسک گیا۔ سلطان نے قلعہ نگر کوٹ کا محاصرہ کیا۔ یہاں کی فوج نے معمولی مقابلہ کے بعد ہتھیار ڈال دیئے اور

امان کی درخواست کی اور مندر کے متعلقہ خزانہ کا پتا بتلایا۔ جہاں سے سلطان محمود کو اتنا بڑا خزانہ سونے چاندی کا ہاتھ آیا کہ اس سے پہلے ان کی نظر سے اتنا بڑا خزانہ نہ گزرا تھا۔

سلطان محمود نے ۳۹۹ھ میں انند پال کو مقامِ پشاور میں شکست دی اور ۴۰۰ھ کے شروع میں نگرکوٹ فتح کیا۔ ابھی سلطان محمود نگرکوٹ ہی میں مقیم تھے کہ انند پال نے جو پہاڑوں کے اندر جا چھپا تھا پیغام بھیجا کہ۔

> ''جس طرح آپ نے اس سے پہلے بھی میری اور میرے باپ کی خطائیں بار بار معاف کی ہیں ایک مرتبہ اور میری گستاخی سے درگزر فرمائی جاوے میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب شرائط فرمانبرداری کے بجالانے اور سالانہ زرخراج ادا کرنے میں کوئی کوتاہی عمل میں نہ آئے گی۔''

نگرکوٹ کے راجہ نے بھی اسی طرح عفوِ تقصیرات کی درخواست بھیجی اور برہمنوں کی سازش سے آمادہ قتال ہو جانے پر اظہار افسوس کیا۔ (آئینہ ص ۱۸۲)

سلطان نے اس درخواست کو بلا تامل منظور کرلیا۔

تھانیسر کی فتح عنوۃً

انند پال اس شکست کے بعد پھر سلطان غزنی کا باجگذار بن چکا تھا لیکن سلطان کو معلوم ہوا کہ اس کو بار بار بغاوت پر آمادہ کرنے والے، راجہ تھانیسر، راجہ قنوج و مہابن و دہلی ہیں اور تھانیسر کا مندر سوم جگ یا جگ سوم ان کی سازش کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اس لیے سلطان نے اب ان پر حملہ کا قصد کر کے انند پال کو اپنے ارادہ سے مطلع کیا۔ اب انند پال کے سر سے سلطان کی مخالفت کا سودا نکل چکا تھا۔ اس نے فوراً دو ہزار سواروں کا لشکر اپنے بھائی کی سرداری میں پشاور کے مقام پر بھیج دیا کہ سلطان محمود کے ہمراہ اس سفر میں رہے۔ راجہ تھانیسر نے سلطان کے حملہ کی خبر پا کر اپنی مدد کے لیے میرٹھ، مہابن، برن (بلند شہر) اور قنوج کے راجاؤں کو بلایا لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے سلطان محمود وہاں پہنچ گئے۔ راجہ تھانیسر شہر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ سلطان محمود نے مندر کو توڑ ڈالا اور سازشی گروہ کو گرفتار کیا۔ اس مندر

میں جو سب سے بڑا بت مانا جاتا تھا اس کو بعض روایات کے موافق توڑ دیا گیا اور بعض کے موافق غزنی بھیج دیا گیا۔

کشمیر کی فتح صلحاً

۴۰۹ھ میں سلطان محمود نے ارادہ کیا کہ پنجاب کی ریاستیں جو بار بار بغاوت کرتی رہتی ہیں اور ایک دوسرے کو پناہ دیتی ہیں ان کا مکمل انتظام کیا جاوے اس لیے اول کشمیر پر حملہ کیا۔

"راجہ کشمیر نے اطاعت و فرمانبرداری کی درخواست بھیج کر امان طلب کی اور اپنی خدمت گزاری اور خراج گزاری کا وعدہ کر کے سلطان کے غصہ کو فرو کیا۔ سلطان نے کشمیر کے راجہ کی درخواست منظور کر کے اس کے ملک کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچایا۔ اور اس کو حکم دیا کہ تم اپنی مناسب فوج لے کر بطور مقدمۃ الجیش ہمارے لشکر کے آگے چلو۔

(آئینہ ص ۱۹۰)

ملا محمد قاسم ہندو شاہ لکھتا ہے۔

چوں بحدودِ کشمیر رسید والی آنجا تحف و ہدایائے لائق پیشکش نمودہ بعنایات پادشاہانہ مفتخر گردیدہ حسب الحکم درمقدمہ لشکر ظفر اثر دران شد"

قنوج کی فتح صلحاً

سلطان محمود نے راجہ کشمیر کو بطور مقدمۃ الجیش اس لیے ساتھ لیا تھا کہ وہ پہاڑی راستوں سے لشکر سلطانی کو قنوج پر پہنچا دے اور راجہ قنوج اس فوج کشی پر قبل از وقت مطلع نہ ہو۔ چنانچہ اس کشمیری ہراول کی رہبری سے لشکر سلطانی برف پوش پہاڑی دروں اور ندی نالوں کو چیرتا پھاڑتا ہوا رام گنگا کے دہانے پر پہنچ گیا۔ قنوج جو وادی گنگا میں واقع ہے اس پر حملہ کی تیاری ہوئی۔ قنوج کا راجہ کنور رائے اگرچہ قدیم سے مسلمانوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھتا تھا۔ اسی نے خلیفہ ہارون الرشید کے پاس اپنا طبیب بھیجا تھا۔ مگر جے پال اور انند پال کی سازشوں سے یہ بھی سلطان محمود کے خلاف میدانِ جلال آباد و پشاور کی جنگ میں سلطان سے برسرپیکار ہو گیا تھا۔ تاہم اس کو مسلمانوں کے اخلاق اور صفت خطا بخشی کا

پورا علم تھا اس کو معلوم تھا کہ مسلمانوں کا یہ امتیازی نشان ہے کہ وہ ہر معافی مانگنے والے کو ضرور معاف کر دیتے ہیں اور پھر جو عہد کر لیتے ہیں اس کو ضرور پورا کرتے ہیں اس لیے اس نے یہی مناسب سمجھا کہ:

> اپنے گلے میں دوپٹہ ڈال کر اور اپنے ہاتھ رومال سے بندھوا کر معہ اپنے بیٹوں اور قریبی رشتہ داروں کے سلطان محمود کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ سلطان محمود نے یہ دیکھ کر فوراً اس کے ہاتھ کھولے، گلے سے لگایا اور اپنے برابر تخت پر بٹھایا اور ہر طرح تسلی و تشفی دے کر رخصت کیا۔ راجہ کنور رائے والی قنوج نے سلطان محمود اور ان کے لشکر کی ضیافت کی۔ سلطان مع لشکر کے تین روز یا آٹھ روز تک راجہ کا مہمان رہا۔ اور جس ملک کے لیے اتنا بڑا عظیم الشان سفر اور اس کی بے حد صعوبتیں برداشت کی تھیں وہ اسی راجہ کے سپرد کر کے بدوں کسی قسم کا مالی و جانی نقصان پہنچائے ہوئے یہاں سے رخصت ہوا۔

ایک ہندو مؤرخ لالہ اجودھیا پرشاد اپنی تاریخ ''مختصر سیرِ گلشن'' میں لکھتا ہے۔

> ''محمود اس مرتبہ اپنا لشکر اچانک سامنے قنوج کے لے آیا۔ مہاراجہ قنوج سے کچھ نہ ہو سکا۔ فوراً مع عیال و اطفال کے دربار سلطانی میں حاضر ہوا اور اطاعت بادشاہ کی قبول کر لی۔ محمود نے راجہ قنوج کی بڑی عزت و توقیر کی اور تین روز تک قنوج میں مقیم رہ کر راجہ قنوج کا مہمان رہا۔ وقت رخصت کے راجہ سے بادشاہ نے اقرار کیا کہ اگر تم اور تمہارے وارث ہم سے سرکش نہ ہوں گے تو جب تم یا تمہارے وارث مدد سلطانی چاہیں گے فوراً غزنی سے ملے گی۔'' (آئینہ ص ۱۹۳)

میرٹھ، مہابن، متھرا کی فتح

تاریخ فرشتہ کی روایت کے موافق سلطان محمود قنوج سے رخصت ہو کر اول میرٹھ پھر مہابن اور اس کے بعد متھرا گئے۔ اور طبقات اکبری میں قنوج سے برن (بلند شہر) وہاں سے مہابن اور متھرا جانا ذکر کیا ہے۔ بہر حال قنوج کی طرف سے مطمئن ہو کر سلطان محمود

نے قریب قریب کے تمام سرکشوں کو ٹھیک بنایا اور مرعوب کرنا ضروری سمجھا۔

میرٹھ کی فتح صلحاً

میرٹھ کے راجہ ہردت پر حملہ آور ہوئے تو وہ اپنے سرداروں کو مع فوج کے قلعہ میں چھوڑ کر خود فرار ہو گیا اور جنگل میں جا چھپا۔ ہردت کے سرداروں نے تیس ہاتھی اور بہت سا روپیہ بطور نذرانہ سلطان کی خدمت میں پیش کر کے امان طلب کی۔ سلطان نے نذرانہ قبول کیا اور ان کو اقرار اطاعت و خراج گزاری لے کر امان دی۔

مہابن کی فتح عنوۃً

سلطان نے میرٹھ سے مہابن کی طرف رخ کیا۔ یہاں کے راجہ کلچندر نے اول مقابلہ کیا پھر شکست کھا کر بھاگا۔ سلطانی لشکر نے اس کو گرفتار کر لیا۔ یہ اسی حالت میں خودکشی کر کے مر گیا۔ (آئینہ ص ۱۹۳)

متھرا کی فتح عنوۃً

مہابن کے بعد متھرا پر حملہ کیا۔ یہاں جو بت خانے، سازش خانے بنے ہوئے تھے ان کو توڑا۔ سازشی گروہ کو گرفتار کیا۔ اور فتح کے بعد چند روز یہاں قیام کیا۔

ضلع فتح پور کی فتح

متھرا سے اسونی (فتح پور) کی طرف چلے اس کے راجہ چنڈیل بھور یا چندر پال نے طاقت مقابلہ نہ دیکھ کر راہ فرار اختیار کی اور جنگلوں میں جا چھپا لیکن سلطان کے پاس تحف و ہدایا اور اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار نامہ بھیج دیا۔ (آئینہ ص ۱۹۴)

یہ سات آٹھ راجا جن پر اس سفر میں سلطان نے حملہ کیا اور فتح پائی وہی تھے جو جے پال اور انند پال کے ساتھ میدان جلال آباد و پشاور میں سلطان کے سامنے بر سر پیکار آ چکے تھے۔ مگر سلطان کا معاملہ ان سب کے ساتھ یہی رہا کہ ان کے اقرار اطاعت و خراج گزاری پر ان

کی خطائیں معاف کر دی گئیں اور کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس عظیم الشان سفر اور بڑے بڑے متمول رجواڑوں کی فتح کے باوجود غزنی واپس ہو کر یہاں کے غنائم اور نذرانوں کی کل مقدار جو شمار کی گئی وہ ہندو مؤرخ سجان رائے کے الفاظ میں یہ ہے۔

چوں بغزنی رسید وغنائم سفر قنوج بشمار درآمد پنج لک وبست ہزار درم وسی صد و پنجاہ فیل بقلم درآمد۔" (آئینہ حقیقت نما ص ۱۹۴)

راجاؤں کی بغاوت اور کالنجر پر حملہ

ہندوستان سے سلطان محمود کے چلے جانے کے بعد کالنجر کے راجہ نندا نے قنوج، متھرا، مہابن، میرٹھ، برن (بلند شہر) وغیرہ کے راجاؤں کو ملامت آمیز خطوط لکھے اور غیرتیں دلائیں۔ قنوج کا راجہ کنور رائے اس قول وقرار پر جو اس نے سلطان محمود سے کیا تھا قائم رہا۔ لیکن باقی راجاؤں نے نندا کی بلند ہمتی و عالی حوصلگی کا اقرار کر کے آئندہ کے لیے مستعد رہنے اور نندا کی رہبری میں کام کرنے کا وعدہ کیا۔ نندا نے ان راجاؤں کو اپنے موافق و مستعد دیکھ کر قنوج پر چڑھائی کی۔ اور ساتھ ہی پنجاب کے راجہ جے پال ثانی ابن انند پال کو لعنت ملامت کا خط لکھ کر محمود کے مقابلے پر مستعد ہونے کی ترغیب دی۔ قنوج کے راجہ نے اپنے آپ کو خطرہ میں مبتلا دیکھ کر غزنی کی جانب قاصد روانہ کیا اور سلطان سے امداد طلب کی۔ سلطان محمود اس حادثہ سے مطلع ہو کر ۴۱۰ھ میں خود قنوج کی طرف روانہ ہوئے۔ جے پال ثانی چونکہ بغاوت پر آمادہ ہو چکا تھا اس نے سلطان کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ پنجاب میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ کر روکنا چاہا۔ مگر سلطانی لشکر نے ایک ہی ہلہ میں پنجابی لشکر کو بھگا دیا۔ اور ان کا تعاقب کئے بغیر قنوج کی طرف تیز رفتاری سے سفر کو جاری رکھا تاکہ قنوج کے راجہ کنور رائے کو جلد از جلد امداد پہنچائی جا سکے۔ مگر سلطان کے پہنچنے سے پہلے قنوج کا راجہ نندا کے مقابلے میں مارا جا چکا تھا۔ سلطان جب قنوج پہنچا ہے تو نندا قنوج سے کالنجر کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ سلطان نے اس کو حدود کالنجر میں جا لیا۔

نندا اپنے چھتیس ہزار سوار اور پینتالیس ہزار پیادے اور چھ سو چالیس جنگی ہاتھی لے

کر مقابلہ پر ڈٹ گیا۔ سلطان کے ساتھ بہت تھوڑی سی فوج تھی۔ نندا کے مقابل سلطانی لشکر خیمہ زن ہوا اور سلطان نے ایک اونچے ٹیلے پر چڑھ کر دشمن کی فوج کا معائنہ کیا تو اس کی کثرت وشوکت دیکھ کر اس دور دراز مقام پر اتنی تھوڑی سی فوج کے ساتھ آنے سے پشیمان ہوا۔ اور خدا تعالیٰ سے دعا مانگی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ شام ہو چکی تھی۔ صبح کو میدان کارزار گرم ہونا تھا۔ مگر نندا پر خدا تعالیٰ نے ایسا رعب ڈالا کہ وہ راتوں رات میدان اور اپنا تمام سامان وہیں چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ سلطان نے حالات اور موقع کی تفتیش وتحقیق کرنے کے بعد اپنی فوج کو تعاقب اور مال غنیمت فراہم کرنے کی اجازت دی۔ اسی تعاقب میں پانچ سو اسی جنگی ہاتھی اور بہت سا سامان اور خزانہ جو نندا فوج سے لایا تھا سب سلطان کے قبضہ میں آ گیا مگر نندا جان بچا کر نکل گیا اور سلطان اس کا تعاقب چھوڑ کر غزنی واپس آئے کیونکہ اب ان کو جے پال ثانی کی طرف سے خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔

۴۱۲ھ میں سلطان نے پنجاب ولاہور کا قصد کیا۔ جے پال ثانی تاب مقاومت نہ لاکر لاہور سے اجمیر کی جانب فرار ہوا کیونکہ اب وہ کشمیر کی جانب پناہ گزیں نہیں ہو سکتا تھا جہاں کا راجہ پہلے ہی سلطان کا حلقہ بگوش بن چکا تھا۔

پنجاب کا الحاق سلطنت غزنی کے ساتھ

سلطان نے لاہور میں داخل ہو کر قیام کیا۔ پنجاب کے اضلاع میں عامل مقرر کر کے اپنے نام کا سکہ خطبہ جاری کیا اور اس وقت سے پنجاب سلطنت غزنی میں شامل ہوا اور سلطان اپنے عزیز غلام ایاز کو پنجاب کا صوبہ دار (گورنر) بنا کر غزنی واپس ہوئے۔

کالنجر اور گوالیار کی فتح صلحاً

۴۱۳ھ میں سلطان محمود نے پھر ایک زبردست لشکر لے کر نندا راجہ کالنجر کی سرکوبی کے لیے غزنی سے کوچ کیا۔ راستہ میں گوالیار کے راجہ نے محمود کے لشکر کو روکا اور مقابلہ پر مستعد ہوا لیکن اس کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ محمود کی اطاعت ہی باعث فلاح وبہبود ہے۔

چنانچہ اس نے پینتیس ہاتھی سلطان کی خدمت میں بطور نذرانہ بھیج کر امان طلب کی اور آئندہ مطیع و منقاد رہنے کا وعدہ کیا۔" (آئینہ ص ۱۹۸)

گوالیار سے سلطان کالنجر کی طرف روانہ ہوا۔ نندا راجہ کالنجر قلعہ میں بند ہو بیٹھا سلطان نے قلعہ کا محاصرہ کیا۔ چندروز کے بعد راجہ نے عاجز ہوکر درخواست بھیجی کہ:

تین سو ہاتھی مجھ سے بطور نذرانہ قبول کئے جائیں اور میری جان بخشی اور تاج بخشی فرمائی جاوے۔"

سلطان نے اس کی درخواست منظور کی۔ اگلے دن راجہ نے سلطان محمود کی مدح میں ایک قصیدہ ہندی زبان میں لکھ کر بھیجا۔ سلطان کے ہمراہیوں میں جو لوگ ہندی زبان کو جاننے والے تھے انہوں نے سلطان کو اس کا ترجمہ سنایا اور نندا کی شاعری کی تعریف کی۔ سلطان نے خوش ہوکر اس قصیدہ کے صلہ میں پندرہ قلعے ریاست کالنجر میں اپنی طرف سے شامل کردیئے۔ نندا نے اس انعام سے متاثر ہوکر بہت سے قیمتی تحائف و نذرانے سلطان کی خدمت میں پیش کئے۔ ہندو مؤرخ سجان رائے لکھتا ہے۔

"راجا نندا شعر ہندی بصارت متین و استعارات رنگین کہ پسندیدہ شعر فہمان خردگزیں و گزیدہ سخندان دانش آئین بودہ باشد در مدح سلطانی نوشتہ ارسال داشت زبان دانانِ ہند مضمون آنرا بعرض رسائیدند۔ سلطان مسرت اندوز گشتہ تحسین نمود و مجلد و تے آں منشور حکومت پانزہ قلعہ ضمیمہ کالنجر نمودہ با تحائف دیگر مرحمت فرمودہ راجہ نندا نیز مال بسیار و جواہر بے شمار در عوض اں بخدمت سلطان مرسل نمودہ و سلطان بعد صلح بغزنی معاودت کرو۔"

صوبہ پنجاب و یوپی کی مکمل فتح

اور ان کی اراضی سے متعلقہ نتائج

صوبہ سندھ و ملتان کے متعلق پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ اسلامی فاتحین نے وہاں کے

باشندوں کی زمینیں انہی کی ملک میں بدستور قائم رکھ کر عشر یا خراج ان پر مقرر کر دیا نہ غانمین میں تقسیم کی گئی نہ حکومت کی مِلک قرار دیا گیا۔

اب صوبہ پنجاب اور صوبہ یوپی کی فتوحات کا مفصل تذکرہ جو اوپر گزر گیا اس سے بدیہی طور پر واضح ہے کہ یہاں بھی اسی طرح باشندگانِ ملک کی زمینیں انہی کی ملک و قبضہ میں بدستور سابق باقی رکھی گئیں بلکہ ان سے عشر وخراج کا معاملہ بھی اسلامی سلطنت نے براہ راست نہیں رکھا بلکہ وہاں کے راجاؤں کو امن اور پروانہ حکومت دے کر ان سے خراج مقرر کرلیا اور باشندگانِ ملک سے وہ بطورِ خود حسبِ دستور سابق لیتے رہے۔ پنجاب کا الحاق جب سلطنت غزنی کے ساتھ کیا گیا اس وقت سلطنت کی طرف سے اپنے عامل مقرر کئے گئے۔ لیکن باشندگان ملک کی ملکیت پر اس کا بھی کوئی اثر نہیں پڑا۔

سومنات و گجرات کی فتح

لفظ سوم ہندی میں چاند کو کہتے ہیں۔ تھانیسر کا بت سوم جگ اور گجرات کا بت سومنات کے نام سے اسی بناپر موسوم تھا کہ ان کی نسبت چاند کی طرف جاتی تھی۔ سورج گرہن، اور چاند گرہن کے موقع پر ان دونوں بتوں کی پرستش خاص طور پر کی جاتی تھی۔ مشرکین عرب میں بھی چاند کے بت کو عام طور پر فضیلت حاصل تھی ان دونوں بتوں اور ان بت خانوں کی بنیاد تقریباً ساتھ ساتھ رکھی گئی ہے۔ سومنات کی نسبت ہندو مؤرخ سبحان رائے لکھتا ہے۔

"گویند در زمانِ پیغمبر آں بت را از خانہ کعبہ برآوردہ در آنجا گذاشتہ اند۔"

تھانیسر کی فتح اور وہاں کے بت سوم جگ کے غزنی منتقل ہو جانے کے بعد اطراف ہندوستان کے ہندوؤں کا مرکز سومنات بن گیا تھا۔ متھرا، مہابن، تھانیسر کے برہمنوں نے بھی یہیں جا کر پناہ لی اور گجرات کے راجہ کی سرپرستی میں مسلمانوں کے خلاف شرانگیزی شروع کی۔ نیز سندھ وفارس و گجرات کے بقیۃ السیف قرامطہ بھی اسی جگہ جمع ہو گئے تھے۔ شمالی ہند کے ہندو ہردوار سے گنگا کا پانی لے کر جاتے اور سومنات پر چڑھاتے تھے۔ راجہ شیو پرشاد ستارۂ ہند نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ہر روز گنگا کا پانی سومنات پر چڑھانے

کے لیے پہنچتا تھا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سومنات کا مندر کرشن کے زمانہ سے قائم تھا اور اسی لیے متھرا، مہابن، تھانیسر، کے لوگوں کو اس مندر سے قدیمی تعلق تھا۔ اس مندر میں پانچ سو نوجوان لڑکیاں سومنات کی خدمت کے لیے ایسی موجود رہتی تھیں جو راجاؤں اور بڑے بڑے ہندو سرداروں کی بیٹیاں تھیں۔ دو ہزار برہمن اس مندر کے پجاری تھے جو رات دن وہیں مصروف جرس نوازی رہتے تھے۔ ابوالقاسم فرشتہ لکھتا ہے:

در ہماں سال کہ خمس وعشرہ ۴۱۵ھ واربعمائہ باشد بعرض محمود رسانیدند کہ اہل ہنود می گویند کہ ارواح بعد از مفارقت ابداں بخدمت سومنات می آیند واو ہر یکے را کہ ز ارواح ببد نے کہ لائق میداند حوالہ نماید۔ اما بطریق تناسخ وہچنیں ایشاں درحق سومنات آنست کہ مدوجزر دریا از برائے عبادت ادست و براہمہ می گویند کہ چوں سومنات ازاں بتہا کہ سلطان محمود شکستہ است رنجیدہ بود حمایت شان نہ کرو والا در یک چشم زدن ہر کرا انجواہد ہلاک می تواند ساخت۔"

حالات مذکورہ کی بنا پر سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے گجرات وسومنات پر حملہ کا قصد کیا اور ۱۰ شعبان ۴۱۵ھ کو غزنی سے مع لشکر کوچ کر کے ۱۵ رمضان کو ملتان پہنچے۔ اور وہاں سے بیس ہزار اونٹوں پر پانی کی مشکیں لاد کر گجرات کی طرف روانہ ہوئے اور اول اتھلواڑہ (نہروالہ) دارالسلطنت گجرات پر پہنچے۔ یہاں کا راجہ اس اچانک حملہ سے سراسیمہ ہو کر اور شہر چھوڑ کر کسی طرف بھاگ گیا۔ سلطان نے اس شہر میں قیام کرنے یا اس کو لوٹنے کا خیال نہیں کیا بلکہ نہروالہ سے سومنات کی طرف روانہ ہوا۔ سومنات میں دس ہزار سے زائد بہادر راجپوتوں کی فوج تھی اور حملہ کی خبر سن کر شہر کے باشندے بھی مسلح ہو کر مقابلہ پر مستعد ہو گئے تھے سلطان محمود کے ہمراہ تیس ہزار سپاہی تھے۔

شہر سومنات کے تین طرف سمندر ایک طرف خشکی تھی۔ اس خشکی کی جانب سے سلطانی لشکر حملہ آور ہوا۔ اور تینوں طرف کے دریائی محاذ پر جتنی کشتیاں تھیں سب پر اپنی فوج کو مسلط

کو دیا تا کہ بحرین، خلیج، فارس اور بحر عمان سے ان کو قرامطہ کی امداد نہ پہنچ سکے۔

سومنات والوں نے دو روز تک بڑی جانفروشی اور بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا تیسرے روز نہروالہ (پٹن) کے راجہ پرم دو اور اسی نواح کے دوسرے راجہ دابشلیم نامی نے اپنی فوجوں کو فراہم کر کے سومنات کو بچانے کے لیے تیس چالیس ہزار فوج سے حملہ کیا۔ ادھر سلطان محمود سومنات کی فوج سے برسر پیکار تھا۔ ادھر پیچھے سے یہ زبردست فوج آ گئی اور محمودی لشکر دونوں طرف سے گھر گیا۔ وقت بڑا نازک تھا لیکن محمود نے خدا تعالیٰ سے دعا مانگی اور فوج کے دو حصے کر کے ایک کو سومنات کے مقابلہ پر رکھا اور دوسرے حصہ کو لے کر ان راجاؤں کی فوج پر خود حملہ آور ہوا۔ سلطان نے تھوڑی ہی دیر میں ان فوجوں کو شکست دے کر بھگا دیا۔ اس فتح کے ساتھ ہی سومنات کی فوج نے ہمت ہار دی۔ محمودی لشکر فصیل شہر پر قابض ہو کر شہر میں داخل ہو گیا۔

سومنات کی فتح اور بت شکنی کے بعد سلطان محمود پرم دیو راجہ نہروالہ (پٹن) کی طرف متوجہ ہوا۔ لیکن وہ پہلے ہی نہروالہ[1] سے تمام خزانہ اور زر و جواہر لے کر ساحل گجرات کے قریب کسی جزیرہ میں چلا گیا۔ محمود نے اس جزیرہ میں پہنچ کر محاصرہ کیا وہ وہاں سے بھی بھیس بدل کر خفیہ نکل گیا۔ اور اپنی جان بچا کر نکل گیا۔ مگر اس کا مال و اسباب سب سلطان کے قبضے میں آیا۔ اس کے بعد سلطان نے نہروالہ (پٹن) میں آ کر قیام کیا اور سومنات کے لوگوں کو بلا کر کہا۔

> ''تم کس کو اپنا حاکم بنانا چاہتے ہو۔ انہوں نے اپنے مندر کے ایک پجاری کا نام لیا جو راجہ دابشلیم کا بھائی تھا۔ اس نے دابشلیم سے خوف ظاہر کیا۔ محمود نے دابشلیم کو گرفتار کر لیا اور دابشلیم کے بھائی کو گجرات و سومنات کا فرمانروا بنا کر دابشلیم کو اپنے ہمراہ غزنی لے گیا۔ جب دوسرے سال دابشلیم کے

---

[1] قدیم تاریخوں میں اس کو نہروالہ یا انھلواڑہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور اب اس کا مشہور نام پٹن ہے جو کاٹھیاواڑ میں ریاست جوناگڑھ کا ایک قصبہ ہے۔ شیخ محمد طاہر فتنی مشہور عالم اسی شہر کی طرف منسوب ہیں۔ کذافی معجم الامکنۃ ۱۲ محمد شفیع غفرلہ۔

بھائی کا انتقال ہوگیا تو اس نے داشلیم کو گجرات وسومنات کی حکومت پر
مامور کر کے غزنی سے روانہ کیا۔ (آئینہ حقیقت نما ص ۲۰۴)

اس حملہ میں سلطان محمود کے ڈھائی سال صرف ہوئے۔ وہ ۴۱۷ھ میں غزنی کو واپس پہنچے۔

اجمیر کی فتح صلحاً

اس حملہ میں واپس جاتے ہوئے اس نے راجہ اجمیر کی بھی گوشمالی کی اور اس سے اقرار اطاعت لے کر اور تقریباً تمام راجپوتانہ کو اپنی حکومت میں شامل کر کے غزنی پہنچے۔
(آئینہ ص ۲۰۴)

سلطان محمود نے ہندوستان کے براعظم کے اکثر حصے سندھ، بلوچستان، ملتان، پنجاب وسرحد، یوپی، راجپوتانہ، گجرات، کاٹھیاواڑ کو زیر نگین لانے اور اسلامی مملکت بنانے کے بعد پنجشنبہ ۲۳ ربیع الاوّل ۴۲۱ھ میں وفات پائی۔ غفر اللّٰہ لہ وضاعف اجرہ، وجزاہ عنا و عن جمیع المسلمین خیر الجزاء.

گجرات، کاٹھیاواڑ، راجپوتانہ کی اراضی سے متعلقہ نتائج

گزشتہ بیان میں سندھ، بلوچستان، ملتان وسرحد، یوپی کی زمینوں کے متعلق جو صورت معلوم ہوئی کہ مسلمان فاتحین نے باشندگانِ ملک کی زمینوں میں کوئی تصرف نہیں کیا بلکہ وہ انہی کی ملک میں بدستور سابق چھوڑیں اور انہیں کے راجاؤں کو بدستور وہاں کا حکمران رکھ کر راجہ سے خراج مقرر کرلیا۔

بعینہ یہی صورت صوبہ گجرات وکاٹھیاواڑ اور تمام راجپوتانہ کی ہوئی۔

سلطان مسعود بن محمود غزنوی کی تخت نشینی اور فتوحات

۴۲۱ھ میں سلطان محمود غزنوی غازی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی ان کے بعد صرف پچاس روز ان کے چھوٹے بیٹے محمد بن محمود تخت نشین رہے پھر بڑے بیٹے مسعود بن محمود نے

تاجدار غزنی بنائے گئے۔ ایاز جن کو سلطان محمود نے پنجاب کا صوبہ دار مقرر کیا تھا ان کو سلطان مسعود نے اپنی مصاحبت کے لیے غزنی رکھنا پسند کیا اور پنجاب میں قاضی شیراز کو ہندوستان کی قضا پر اور احمد نیالتگین کو ہندوستان کا سپہ سالار مقرر کیا۔ احمد نیالتگین اپنی فوج لے کر لاہور سے مشرق کی جانب روانہ ہوا اور کالنجر تک تمام راجاؤں کا خراج وصول کرتا ہوا چلا گیا۔

بنارس وغیرہ کی فتح صلحاً

راستہ میں وہ بنارس بھی گیا اور وہاں کے راجہ کو مطیع بنا کر خراج وصول کیا اور چھوٹے چھوٹے راجا اور ٹھاکر جو ایسے رہ گئے تھے کہ ان پر نہ سلطان محمود نے کوئی حملہ کیا نہ اقرار فرمانبرداری لیا ان کو احمد نیالتگین نے اقرار واطاعت وفرمانبرداری اور خراج گزاری پر مجبور کیا اور اس طرح شمالی ہند میں بہار تک سلطنت غزنی کی باقاعدہ شہنشاہی اور سیادت قائم ہوگئی۔ (آئینہ ص ۲۰۷)

ہردوار کی فتح

۴۶۳ھ میں ہندوؤں نے پھر زور پکڑا تھانیسر وہانسی پر قبضہ کرلیا یہ حال سنکر سلطان ابراہیم بن مسعود بن محمود غزنوی نے ۴۶۵ھ میں حملہ کیا اور ہندوؤں سے اس علاقہ کو فتح کر کے اپنے عامل مقرر کئے، ہردوار کا علاقہ بھی فتح کیا۔

دہلی کی فتح

راجہ تھانیسر نے ۳۸۳ھ میں دہلی کو آباد کیا تھا جب سلطان محمود غزنوی نے تھانیسر فتح کرلیا تو یہ راجہ وہاں سے بھاگ کر دہلی میں مقیم ہوگیا۔ ۴۲۷ھ میں اس کے بیٹے انگ پال اول نے دہلی میں قلعہ اور سنگین عمارتیں قائم کیں۔ سلطان ابراہیم بن مسعود بن محمود غزنوی نے ۴۶۵ھ میں اس پر حملہ کر کے باجگزار بنالیا۔ پھر سلطنت غزنی کے ضعف کے زمانہ میں دہلی کے راجہ نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ سلطان شہاب الدین غوری نے ۵۸۸ھ میں پرتھی راج راجہ دہلی سے زبردست مقابلہ کیا اور دہلی کو فتح کیا۔ پرتھی راج مارا گیا۔ اس

کے بیٹے ابن جی کو سلطان نے دہلی کا راجہ بنادیا اور اطاعت وخراج گزاری کا وعدہ لے کر اس کی حکومت برقرار رکھی۔ اس کے بعد سرستی، ہانسی، سامانہ، کہرام وغیرہ کو فتح کیا۔ پھر پرتھی راج کے دارالسلطنت اجمیر کی طرف گیا۔ شہر اجمیر کو سلطان نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا بلکہ پرتھی راج کے بیٹے کولہ جی کو اجمیر کا راجہ بنا کر اور اقرار واطاعت لے کر واپس چلا آیا۔ جب اجمیر سے واپس ہو کر دہلی کے قریب پہنچا، پرتھی راج کے دوسرے بیٹے اپن جی نے سلطان کے پاس عاجزانہ درخواست بھیج کر جان ومال کی امان بھیجی۔ سلطان اس کو دہلی کا راجہ بنا کر شہر دہلی میں داخل ہوئے بغیر ہی واپس چلا آیا اور قلعہ کہرام میں اپنے غلام قطب الدین ایبک کو اس کا نو مفتوحہ علاقے کا جو پہلے بھی سلطنت اسلامیہ میں شامل تھا عامل بنا کر غزنی کو واپس چلا گیا۔ اور اس دوران میں جن ہندو راجاؤں نے خراج بھیجنا بند کر دیا تھا ان سے خراج وصول کیا گیا اور سلطان محمود کے زمانہ کی عظمت وشوکت پھر ہندوستان میں قائم ہوگئی۔

(آئینہ ص ۲۱۹ الیٰ ص ۲۵۲)

(تنبیہ) خاندان غزنوی کے ختم یعنی ۵۹۰ھ تک مسلمانوں نے اپنی باقاعدہ سلطنت کو صرف سندھ، ملتان، پنجاب تک محدود رکھا۔ باقی صوبوں کو فتح کیا مگر ان کی ریاستیں بنا کر ہندو راجاؤں کو ان کی حکومت پر برقرار رکھا۔

خاندان غزنوی کا زوال اور خاندان غوری کی حکومت

سلطنت غزنی کے پڑوس میں ایک مختصر سی خودمختار ریاست غور کی قائم تھی جس کے حکمران مسلمان تھے اسی لیے سلطنت غزنی نے کبھی اس طرف رخ نہیں کیا۔ لیکن چھٹی صدی ہجری کے آخر میں ریاست غور کے حکمراں قرامطہ ملاحدہ کے ہم عقیدہ ہو گئے۔ اور دوسری طرف سلطنت غزنی اپنے آخری فرمانرواؤں کی کمزوریوں اور ہندوؤں پر اعتماد کی بنا پر انتہائی کمزور ہو چکی تھی۔ علاؤالدین جہانسوز فرمانروائے غور جو قرامطہ کا ہم عقیدہ تھا اس نے موقع پا کر غزنی پر حملہ کیا۔ سلطنت غزنی کے آخری بادشاہ خسرو شاہ کو مقابلہ میں شکست

ہوئی۔ علاؤ الدین نے تمام ملک غزنی میں وہ تباہی و بربادی پھیلائی کہ اس کا نام جہانسوز مشہور ہوگیا اور انجام کار غور اور غزنی کی دونوں سلطنتیں اس کے قبضہ میں آگئیں۔ ۵۵۱ھ میں جہانسوز دنیا سے رخصت ہوا اور اس کا بیٹا سیف الدین محمد اس کی جگہ تخت نشین ہوا۔ مگر بیٹا اپنے عقائد میں اپنے باپ سے مختلف رہ کر صراطِ مستقیم پر قائم تھا۔ اس نے غور اور غزنی سے قرامطہ کا استیصال کیا۔ اب غور اور غزنی کی فرمانروائی اسی غوری خاندان میں منتقل ہو چکی تھی۔ ۵۶۷ھ میں سلطان غیاث الدین غوری اس تخت کا وارث ہوا اور اس نے شہاب الدین غوری اپنے بھائی کو غزنی کا خودمختار حاکم بنادیا۔

سلطان شہاب الدین غوری نے سلطنت غزنی کے ماتحت صوبجات سندھ، ملتان، پنجاب کی خبرگیری شروع کی اور سلطنت غزنی کے کمزور ہو جانے سے جو خودمختاری یہاں کے امراء میں آگئی تھی اس کو ختم کر کے باقاعدہ سلطنت غزنی میں شامل کیا۔ ملتان پر پھر قرامطہ کا غلبہ ہو چکا تھا اس پر حملہ کر کے پھر اس کو ان سے آزاد کیا اور علی کرماخ کو ملتان کا عامل مقرر کیا۔ سلطان شہاب الدین غوری کے حملے جتنے ہندوستان پر ہوئے وہ عموماً انہی صوبجات اور بلاد پر تھے جو سلطنت غزنی کے زمانہ میں فتح ہو چکے تھے مگر پھر اس سلطنت کے ضعف سے فائدہ اٹھا کر یہاں کے راجاؤں نے خودمختاری کا اعلان کر دیا تھا۔ جدید فتوحات کی سلطان شہاب الدین کو بہت کم نوبت آئی۔

سلطان غلاماں، قطب الدین ایبک وغیرہ

سلطان شہاب الدین غوری نے اپنے غلام قطب الدین ایبک کو قلعہ کہرام کا عامل مقرر کر کے اس کو سلطنت غزنی کے ساتھ ملحق کر دیا تھا۔ ۵۸۸ھ میں راجہ میرٹھ جو پرتھی راج کا رشتہ دار تھا اس نے دہلی کے راجہ اپن جی کو دوبارہ بغاوت پر آمادہ کر کے قطب الدین ایبک پر جو کہ سلطنت غزنی کا عامل تھا حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ قطب الدین ایبک نے اس کی خبر پاکر پیش قدمی کی اور ۵۸۹ھ میں خود حملہ کر کے میرٹھ، دہلی، علی گڑھ کو فتح کر لیا

اور بجائے کہرام کے دہلی کو اپنا دارالحکومت بنالیا۔

ہندوستان میں مستقل اسلامی دارالحکومت دہلی ۵۸۹ھ میں

غزنی اور غوری سلطنت کے دونوں عہدوں میں شاندار فتوحات کے باوجود سلاطین اسلام نے ہندوستان کے راجاؤں کو ان کی حکومت سے علیحدہ نہیں کیا بلکہ صرف اقرار اطاعت و باجگزاری لے کر چھوڑ دیا۔ اور ان کو ان کی ریاستوں پر برقرار رکھا۔ اور پھر بار بار ان سے بغاوتوں کا صدور ہونے اور سلطانی حملوں سے مقہور و مغلوب ہونے کے باوجود ان کو ہر مرتبہ ان کی اپنی اپنی حکومت پر برقرار رکھا گیا۔ لیکن قطب الدین ایبک جو سلطان شہاب الدین غوری کے غلام اور ان کی طرف سے ہندوستان کے بعض علاقوں کے عامل تھے۔ ان کے عہد میں جب پھر بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ پچھلے تجارب اور واقعات ان کے سامنے تھے اب ان کو یہ طے کرنا پڑا کہ جو راجہ بغاوت پر کمربستہ ہو اس کا علاقہ فتح کر کے بلاواسطہ سلطنت اسلامی میں شامل کر لیا جاوے۔ چنانچہ اپن جی پسر پرتھی راج راجہ دہلی نے بغاوت کی تو اس کو حکومت سے ہٹا کر دہلی کو بلاواسطہ سلطنت غزنی سے ملحق کر دیا اور دارالامارت بنا دیا۔ اسی طرح میرٹھ، علی گڑھ، کے راجاؤں نے بغاوت کی تو ان کو سزا دے کر ان علاقوں پر بھی بلاواسطہ خود حکومت شروع کر دی۔ اسی طرح قنوج، کالپی، کالنجر، بنارس، گوالیار، بدایوں، صوبہ گجرات کے راجاؤں نے سرکشی کی تو ان کو ہٹا کر یہ مقامات بھی شامل سلطنت دہلی کر لئے گئے۔

کولہ جی پسر پرتھی راج راجہ اجمیر اپنے عہد پر قائم رہا اس لیے قطب الدین ایبک نے اس کو بدستور قائم رکھا۔ مگر اس کے ساتھ ہی پرتھی راج کے بھائی جے چند نے اپنے بھائی کا انتقام لینے کا ارادہ کیا، راجہ گوالیار اور راجہ بدایوں کے علاقہ اودھ و بہار کے چند راجاؤں کو اپنی امداد کے لیے جمع کر لیا اور یکبارگی قطب الدین پر حملہ کرنے کی تیاری کی قطب الدین نے اس کی اطلاع سلطان کے پاس بھیجی۔ سلطان یہ اطلاع پاتے ہی ہند کی طرف روانہ ہو گیا۔ دہلی پہنچ کر قنوج کے راجہ جے چند کی سرکوبی کے لیے روانہ ہو گیا قطب الدین کو ایک دستہ فوج

کے ساتھ بطور ہراول آگے چلنے کا حکم دیا۔ جے چند نے مقام چندواڑہ میں جو اٹاوہ سے جانب شمال ہے، اپنی فوجیں آراستہ کر کے مقابلہ کیا، قطب الدین کے ہراول دستے نے بڑے لشکر کا انتظار کئے بغیر ہی ان پر حملہ کر دیا اور سلطان کے میدان جنگ تک پہنچنے سے پہلے ہی جے چند کے لشکر کو شکست دے کر بھگا دیا اور جے چند قطب الدین کے تیر سے مارا گیا۔ سلطان قنوج پر قبضہ کر کے بنارس پر بھی جو کہ جے چند کا مقبوضہ تھا حملہ آور ہوا۔ بنارس کے بعد گوالیار اور بدایون وغیرہ کئی قلعوں کو فتح کیا اور سب جگہ اپنا عامل مقرر کر کے اسلامی حکومت قائم کی۔ اس طرح شمالی ہند کا ایک بڑا حصہ اسلامی سلطنت میں شامل ہو گیا۔ پنجاب، ملتان، سندھ تو پہلے ہی اسلامی حکومت کے صوبے تھے اب وہ ملک بھی جس کو آج کل صوبہ متحدہ کہتے ہیں سلطنت اسلامی میں شامل ہو گیا۔ قطب الدین ایبک کی قابلیت سرداری چونکہ اب اچھی طرح ثابت ہو چکی تھی لہٰذا سلطان نے قطب الدین کو تمام مقبوضات ہندوستان کا حاکم اور وائسرائے بنا دیا۔ اور ۵۹۱ھ میں غزنی کی طرف روانہ ہو گیا۔ (آئینہ ص ۲۵۳)

فتح بہار و بنگال و آسام و تبت وغیرہ محمد بختیار خلجی کے ہاتھ پر

غور کے نواح میں جو قبائل آباد تھے ان میں ایک قبیلہ خلجیوں کا بھی تھا۔ اس قبیلہ کے اکثر افراد سلطان شہاب الدین غوری اور ملک قطب الدین ایبک کی فوج میں نوکر تھے۔ اسی قبیلہ کا ایک شخص محمد محمود خلجی ہندوستان آیا اور فتح قنوج کے بعد قنوج کے علاقہ میں ایک جاگیر حاصل کر سکا جب محمد محمود کا انتقال ہو گیا تو یہ جاگیر اس کے بھتیجے محمد بختیار خلجی کو مل گئی۔ محمد بختیار نے یہاں اپنے لیے ترقی کی راہیں مسدود دیکھ کر جاگیر کو چھوڑ دیا۔ اور اودھ کے حاکم ملک حسام الدین اغلبک کے پاس پہنچا۔ اس نے محمد بختیار کو اس کی خواہش کے موافق ایک جاگیر اودھ کے مشرقی حصہ میں عطا کر دی۔ وہاں محمد بختیار نے ملک حسام الدین کو کئی معرکوں میں اپنی بہادریاں دکھا کر اپنے اوپر اس قدر مہربان کر لیا کہ اس نے اس چھوٹی سی جاگیر کے عوض اودھ کے ایک پورے ضلع کی حکومت اس کو سپرد کر دی۔

بہار کی فتح

اب محمد بختیار نے موقع پا کر ملک بہار کے علاقہ پر تاخت و تاراج کا سلسلہ شروع کیا اور اس ملک کے ہندو راجہ سے کئی قلعے چھین لیے جس سے محمد بختیار کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ اور اس قوم کے آدمی جو مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے، ہر طرف سے آ آ کر محمد بختیار کے پاس جمع ہو گئے۔ اور بختیار کی اولوالعزمی اور بہادری کی خبر جب ملک قطب الدین ایبک وائسرائے ہند کو پہنچی تو اس نے بہادر سپاہی کی قدر دانی اور عزت افزائی کو ضروری سمجھ کر دہلی سے اس کے لیے خلعت و انعام بھیجا، اور ملک حسام الدین اغلبک عامل اودھ کو لکھا کہ اس بہادر کی قدر دانی و عزت افزائی کا ضرور خیال رکھو۔

اس طرح صاحب عزت اور صاحب علم و طبل ہو کر محمد بختیار نے بہار کے علاقہ پر باقاعدہ حملہ شروع کر دیا اور صرف ایک سال کے اندر بہار کا ملک فتح کر کے قلعہ بہار پر بھی قبضہ کر لیا۔ قلعہ بہار کی تسخیر کے وقت محمد بختیار خلجی کے ساتھ کل دو سو آدمی کی فوج تھی۔ اور یہ قلعہ ملک بہار میں سب سے زیادہ مضبوط اور ناقابل تسخیر مقام سمجھا جاتا تھا۔ اس وقت بہار کی سلطنت بدھ مذہب کے لوگوں کے ہاتھ میں تھی۔

فتح بہار کے بعد قطب الدین ایبک نے محمد بختیار خلجی کو اپنے پاس دہلی بلوایا اور خلعت و خطاب دے کر بہار کا گورنر مقرر کر دیا۔

بنگال کی فتح

محمد بختیار نے واپس آ کر ملک بہار میں اپنی طرف سے عامل مقرر کئے اور انتظام ملکی سے مطمئن ہو کر بنگال کی طرف بڑھا۔ بنگال کے دارالسلطنت اس زمانہ میں شہر نودیہ تھا۔ نودیہ کا راجہ لکشمن سین جو لکھمینہ کے نام سے مشہور تھا۔ محمد بختیار خلجی کا مقابلہ نہ کر سکا۔ محمد بختیار جب ندیہ کے قریب پہنچا تو اپنی فوج پیچھے چھوڑ دی اور صرف اٹھارہ آدمی ساتھ لے کر شہر ندیہ کے اندر داخل ہوا۔ شہر ندیہ کے دروازے پر محافظوں نے یہ سمجھ کر کہ کوئی سوداگر یا

مسافر ہیں جو اس طرح بے تکلف شہر میں داخل ہو رہے ہیں ان کو نہ روکا۔ ان اٹھارہ بہادروں نے راجہ کے محل سرائے کے دروازہ پر جا کر محل سرائے کے دربانوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ اس وقت لکھمینہ رسوئی میں کھانا کھا رہا تھا۔ شور وغل کی آواز سن کر معلوم ہوا کہ مسلمان آ پہنچے ہیں۔ اس قدر حواس باختہ ہوا کہ فوراً اٹھ کر سرنگ کے راستہ سے اپنے محل سے بھاگا اور ندیہ سے فرار ہو کر اڑیسہ کے شہر کٹک کے ایک مندر میں پناہ لی۔ اور پوجاریوں میں شامل ہو کر بقیہ عمر گزاری۔

محمد بختیار نے محل میں داخل ہو کر دیکھا کہ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا چنا ہوا رکھا ہے جس کو چھوڑ کر راجہ بھاگ گیا ہے۔ اس طرح بلاکشت وخون بڑی آسانی سے مسلمانوں کا بنگال پر بھی قبضہ ہو گیا۔

محمد بختیار نے ندیہ کو چھوڑ کر مقام لکھنوتی کو بنگالہ کا دارالحکومت قرار دیا۔ غالباً یہی مقام لکھنوتی ہے جس کو آج کل ڈھاکہ کہتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

آسام کی فتح صلحاً

لکھنوتی میں محمد بختیار اپنا نائب مقرر کر کے خود دس ہزار کا لشکر لے کر آسام کی فتح کے لیے روانہ ہوا۔ آسام (کامروپ) کے راجہ نے اطاعت قبول کر لی۔

طبقات ناصری کی روایت کے مطابق ملک (کامروپ) میں کوچ، میچ، تھارو تین قومیں آباد تھیں۔ ان میں سے کوچ، اور میچ کا سردار جو میچ قوم سے تعلق رکھتا تھا، محمد بختیار خلجی کے ہاتھ پر برضا و رغبت مسلمان ہو گیا تھا۔ چنانچہ منہاج السراج کے الفاظ یہ ہیں:

> ''در اطراف آں کوہا کہ درمیان تبت و بلاد لکھنوتی ست سہ جنس خلق اند یکے
> را کوچ دوم را میچ سوم را تھارو۔ ہمہ ترک چہرہ اند وایشاں راز بانے دیگر
> است میاں لغت ہند و تبت یکے از روئے سائے کوچ و میچ کہ او را علی میچ
> گفتندے بر دست محمد بختیار اسلام آوردہ بود''

تبت کی فتح

اس کے بعد بختیار نے دریائے برہمتر کو عبور کر کے ملک تبت پر حملہ کیا دریا کو عبور کرنے کے بعد پندرہ روز تک برابر پہاڑوں کے دروں اور گھاٹیوں میں لشکر اسلام کو سفر کرنا پڑا سولھویں روز تبت کے علاقہ میں پہنچے۔ سامنے ایک مضبوط قلعہ آیا وہاں کے لوگوں نے مقابلہ کیا۔ سخت لڑائی کے بعد اس قلعہ کو فتح کیا۔ وہاں سے پندرہ کوس کے فاصلے پر کرم پٹن نامی ایک شہر تھا جس میں دشمنوں کی زبردست فوج موجود تھی۔ مگر اس طویل و شدید سفر اور جنگ میں محمد بختیار کی بہت سی فوج ضائع ہو چکی تھی۔ اس لیے اس طرف پیش قدمی کرنا اس وقت مناسب نہ سمجھا اور یہیں سے واپس ہو گئے۔ اس وقت محمد بختیار کی ان کوششوں سے پورا شمالی ہند اور اس کے سب صوبے ہندوستان کی سلطنت اسلامیہ میں داخل ہو گئے اور آج کل جس براعظم کو ہندوستان یا انڈیا کہا جاتا ہے دکن اور مدراس کے سوا پورا سلطنت دہلی کے زیرنگیں آ گیا۔ واپسی میں دیوکوٹ پہنچ کر محمد بختیار سخت بیمار ہو گئے۔ اس بیماری میں بار بار ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطان شہاب الدین غوری کو کوئی مصیبت پہنچی ہے اسی لیے مجھ پر بھی یہ مصیبت آئی ہے۔ چنانچہ محمد بختیار اس بیماری سے جانبر نہ ہو سکے اور ۶۰۲ھ میں فوت ہو گئے اور محمد بختیار کا یہ احساس بھی صحیح تھا کہ سلطان شہاب الدین کو کوئی مصیبت پہنچی ہے، کیونکہ سلطان موصوف بھی انہی دنوں میں شہید ہوئے۔ (آئینہ ص ۲۵۸)

سلطان شہاب الدین غوری کی شہادت

ملاحدالموت سے مقابلہ اور گھگڑوں کا اسلام

شہاب الدین غوری کے عہد میں ملاحدہ کا فتنہ اٹھا جو شاہ الموت کے زیر ہدایت جا بجا مسلمانوں کے لباس میں پھیلے ہوئے موقع کے منتظر تھے انہوں نے ۶۰۰ھ کے اواخر اور ۶۰۱ھ کے شروع میں ملتان، پنجاب کے اندر ایک اودھم مچا دی اور امن و امان برباد کر دیا۔

سلطان شہاب الدین کی ساری عمر زیادہ تر انہی کے فتنہ کے استیصال میں گزری تھی۔ اب پھر سندھ و ملتان اور مغربی پنجاب میں ان کا زور دیکھ کر اس طرف آنا پڑا۔ ادھر دہلی کے قطب الدین ایبک پہنچ گئے۔ ان لوگوں کو اور جو ان کی حمایت کرتے تھے ان کو سزائیں دیں اور ان بلاد کا امن و امان بحال کیا۔

ان کی حمایت کرنے والوں میں ایک قوم گھگڑ یا کھوکھر کے نام سے موسوم غیر مسلم زناردار تھی ان کا پیشہ رہزنی تھا اور مسلمانوں کے قتل کو ثواب جانتے تھے۔ اسی لیے ان ملاحدہ کو ان کے اندر خوب رسوخ حاصل تھا۔ ایک مسلمان اتفاقاً ان کے ہاتھ میں گرفتار ہوا جس کو انہوں نے بجائے قتل کرنے کے قید کر دیا۔ اس مسلمان قیدی کے اوضاع و اطوار اور حرکات و سکنات اس شخص کو بہت پسند آئے جس کے ہاتھ میں یہ مسلمان قید تھا قیدی نے موقع پا کر اسلام کی تبلیغ و تلقین شروع کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گھکھڑ نے اسلام قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ قیدی نے سلطان کے پاس یہ خبر بھجوائی۔ سلطان شہاب الدین غوریؒ نے اس نو مسلم گھگڑ کو اس علاقہ کا حاکم بنا دیا تا کہ وہ خود اپنی قوم کا بندوبست کر سکے۔ اور قتل و غارت سے یہ قوم باز آئے۔ اس نو مسلم گھگڑ کی کوشش سے کئی لاکھ گھگڑ دائرہ اسلام میں داخل ہو کر بہت شائستہ زندگی بسر کرنے لگے۔ ورنہ اس سے پہلے ان میں ایک عورت کو متعدد شوہر کرنے اور دختر کشی وغیرہ کا عام رواج تھا۔

اس واقعہ سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ہندو قوموں میں اسلام کس طرح پھیلا ہے اور مسلمان بادشاہوں نے کہاں تک لوگوں کو زبردستی مسلمان بنایا ہے۔

سلطان شہاب الدین کے لشکر میں حضرت امام رازیؒ کا درس اور سلطان کی شہادت ملاحدہ کے ہاتھ سے

امام فخر الدین رازیؒ جو علماء اسلام میں ایک خاص امتیاز رکھتے ہیں اور فلاسفہ اسلام میں مشہور و معروف ہیں۔ آپ سلطان شہاب الدین کے مخصوص لشکر میں ساتھ رہتے تھے۔

سپاہیوں کو روزانہ درس دیتے اور نمازوں کی امامت کرتے تھے۔ ان کے درس میں مسلمان بڑے شوق سے جوق در جوق شریک ہوتے تھے۔ ملاحدہ کے چند لوگوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور ان کے درس میں شریک ہو گئے۔ یہ ملاحدہ چونکہ اسلامی لباس میں تھے اور اسلامی طریقوں سے بود و باش کرتے تھے اور جب مسلمانوں میں شامل ہوتے تو اپنے آپ کو اعلیٰ درجہ کا عابد و زاہد ثابت کرتے تھے اس لیے عام مسلمان ان کے شر سے واقف نہ ہوتے۔ اور بعض اوقات سلطنت کے اعلیٰ عہدوں پر بھی فائز ہو جاتے تھے۔ اور یہ کسی کو خبر نہ ہوتی تھی کہ یہ مسلمانوں کے جانی دشمن ہیں۔

سلطان شہاب الدین ان کے فتنہ اور شرارت سے واقف اور ان کی بیخ کنی پر ہمیشہ آمادہ رہتا تھا۔ لیکن یہ اپنی منافقانہ چالوں سے اس کے لشکر میں موجود رہتے تھے۔

سلطان لاہور سے روانہ ہو کر جس وقت مقام دمیک میں جو پنجاب کے ضلع جہلم میں بتلایا جاتا ہے پہنچا اور دریائے جہلم کے کنارے سلطانی لشکر خیمہ زن ہوا۔ تو رات کے وقت ان ملاحدہ نے جو سلطانی لشکر میں موجود تھے اور ان میں سے بعض دربانی کی خدمت پر بھی مامور تھے، موقع پا کر سلطان کو قتل کی قرارداد پر عمل کیا اور خنجر سے سلطانی خیمہ کو چاک کر کے دس بیس ملاحدہ اندر داخل ہوئے اور سوتے ہوئے سلطان کو چھریوں سے شہید کر ڈالا۔ پھر خیمہ کے اسی شگاف سے نکل کر بھاگ گئے۔ ان میں سے بعض بھاگتے ہوئے پکڑے گئے اور پہچانے گئے تو وہی اشخاص تھے جو حضرت امام فخر الدین رازی کے درس میں بڑی عقیدت مندی اور شوق و گرویدگی سے شامل ہوا کرتے تھے۔ اور اسی لئے امام صاحب کے مقرب اور خدام خاص سمجھے جاتے تھے۔ اسی بنا پر لوگوں کو امام رازی پر یہ بدگمانی ہوئی کہ ملاحدہ سے ان کا تعلق ہے اور یہ بھی اس قتل کی سازش میں شریک ہیں۔ اسی شبہ میں حضرت امام بھی گرفتار کیے گئے۔ مگر پھر تحقیق کے بعد حقیقت حال ظاہر ہوئی کہ حضرت امام ان کی منافقانہ چالوں سے تمام عمال حکومت کی طرح بے خبر اور بے تعلق تھے، آپ کو آزاد کر دیا گیا۔

سلطان شہاب الدین کی وفات کے وقت ہندوستان کی اسلامی سلطنت کا رقبہ

۳/شعبان ۶۰۲ھ کو سلطان شہاب الدین غوری رحمۃ اللہ علیہ شہید ہوئے۔ اس وقت ہندوستان کے مستقل دارالحکومت دہلی کے ماتحت تمام سندھ، ملتان، پنجاب، ممالک متحدہ آگرہ واودھ، گجرات، بہار، بنگال، آسام، تبت تک آچکا تھااور آج کل جس براعظم کو ہندوستان کہاجاتا ہے اس میں صرف دکن اور مدراس باقی تھے۔ اس کے سوا پورے ہندوستان پر اسلامی حکومت آب وتاب کے ساتھ قائم ہوگئی تھی۔ اور ملک قطب الدین ایبک سلطان شہاب الدین کی طرف سے اس سلطنت کے وائسرائے مقرر تھے۔

ہندوستان کی مستقل خودمختار اسلامی سلطنت ۶۰۲ھ

سلطان شہاب الدین غوری کی وفات کے بعد ان کا کوئی بیٹا نہ تھا۔ انہوں نے اپنے غلاموں کی تربیت بیٹوں کی طرح کی تھی۔ چنانچہ ان کے بعد ان کے غلام قطب الدین ایبک، تاج الدین بلدوز، ناصر الدین قباچہ ہی ہندوستان کی اسلامی سلطنت کے والی ہوئے۔ انہی کے زمانہ سے ہندوستان کی سلطنت، سلطنت غزنی سے علیحدہ ہوکر مستقل اور خودمختار قرار دی گئی۔ سلطان شہاب الدین غوری کی وفات کے بعد ان کے بھتیجے سلطان محمود نے دارالسلطنت فیروزہ کوہ غزنی سے ملک قطب الدین ایبک جواب تک ہندوستان کے وائسرائے کی حیثیت رکھتے تھے ان کے پاس ایک شقہ اور چتر شاہی بھیجا۔ شقہ میں لکھا ہے، آپ شوق سے اپنے آپ کو سلطان کے لقب سے ملقّب کریں اور ہندوستان میں عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کریں۔ اس سند حکومت اور چتر شاہی کے آنے پر سلطان قطب الدین نے دہلی سے لاہور جاکر ماہ ذیقعد ۶۰۲ھ میں مراسم تخت نشینی ادا کئے۔ (آئینہ حقیقت نما ص ۲۶۳) اور ہند کی مستقل خودمختار اسلامی سلطنت کا پہلا دور یہاں سے شروع ہوا۔

سلطنتِ غلاماں

قطب الدین ایبک سے ہندوستان میں جس خاندان سلطنت کی بناد پڑی وہ غلاموں کا خاندان کہلاتا ہے۔ اس خاندان میں قطب الدین ایبک، آرام شاہ، شمس الدین التمش، رکن الدین، رضیہ سلطانہ، بہرام شاہ، علاؤ الدین مسعود، ناصر الدین محمود، غیاث الدین بلبن، کیقباد، کل دس بادشاہ تخت نشین ہوئے۔ اور ٦٠٣ھ سے ٦٨٩ھ تک چھیاسی سال حکومت کی۔

(ف) اس زمانہ میں مصر کے اندر بھی اسی قسم کے غلاموں کی حکومت تھی۔ ہندوستان اور مصر کے غلاموں کی شہنشاہی پر غور کرنے سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ مسلمان اپنے غلاموں کے ساتھ کس قسم کا سلوک کرتے تھے اور غلاموں کے لیے اسلام نے کہاں تک ترقی کی راہیں کشادہ رکھی ہیں۔

ہندوستان میں غلاموں کے اس خاندان میں شمس الدین التمش، ناصر الدین محمود اور غیاث الدین بلبن تینوں[1] بادشاہوں نے بیس بیس سال یا اس سے زیادہ مدت تک حکومت کی تینوں بادشاہوں کی حکومت کا زمانہ مل کر ستر سال ہوتا ہے۔ باقی سولہ سال میں سات بادشاہوں کی حکومت پوری ہوئی۔

سلطنت غلاماں کی چند خصوصیات

(١) ان غلام سلاطین نے اپنے پورے عہد حکومت میں مفتوحہ علاقہ پر حکومت قائم کر رکھ کر امن وامان اور رعایا کے فلاح و بہبود میں پوری ہمت صرف کی نئے ملکوں کو فتح کرنے کا خیال نہیں کیا۔

---

[1] قطب الدین ایبک کا زمانہ حکومت بھی بیس ہی سال ہے لیکن اس کے ابتدائی سولہ برس سلطنت غزنی کے ماتحت وائسرائے کی حیثیت میں تھے۔ خودمختار سلطان ہند ہوکر صرف چار سال زندہ رہے ٦٠٧ھ میں گھوڑے سے گرکر لاہور میں وفات ہوئی، یہیں دفن ہوئے۔ ١٢ آئینہ ص ٢٦۴

(۲) اس خاندان کی یہ خصوصیت بھی قابل ذکر ہے کہ ان کے عہد میں مسلمانوں کے اندر صحیح اسلامی جذبات بہت نمایاں تھے اور یہی وجہ تھی کہ جو بادشاہ ان میں سلطنت کی قابلیت واہلیت رکھتا تھا اس کو حکومت کرنے کی آزاد مہلت ملی اور جو بادشاہ تخت نشین ہونے کے بعد نااہل ثابت ہوا تو فوراً مسلمان سرداروں نے اس کو معزول کر کے دوسرے کو تخت پر بٹھادیا۔

(۳) اس عہد کی خوبیوں میں یہ بھی ایک قابل تذکرہ ہے کہ سلطنت کو کسی خاندان کے ساتھ مخصوص نہیں سمجھا گیا۔ شہاب الدین غوری کے بعد ان کے غلام قطب الدین ایک خودمختار بادشاہ بنے۔ قطب الدین کے بعد جب انکی اولاد کو نالائق دیکھا تو ان کے غلام شمس الدین التمش کو سب نے بخوشی بادشاہ تسلیم کرلیا۔ پھر سلطان التمش کی اولاد بھی نااہل ثابت ہوئی تو ان کے غلام غیاث الدین بلبن کو بادشاہ بنالیا گیا۔ اسی طرح پھر بلبن کی اولاد میں قابلیت سلطنت کی نہ دیکھی تو یہ تختِ سلطنت خلجی خاندان کے ایک تجربہ کار آدمی کے سپرد کردیا گیا۔

(۴) اس غلام خاندان کے چند افراد تو سلطنت کے لیے اہل ثابت ہوئے کہ ان کی مثالیں سلاطین میں بہت کم ہیں۔ سلطان شمس الدین التمش کو بغداد کے خلیفہ عباسی المستنصر باللہ نے ۶۲۶ھ میں خلعت اور سندِ حکومت بھیجی۔ جس کی خوشی میں سلطان نے شہر کو آئینہ بند کر کے جشن ترتیب دیا۔ یہ سلطان بڑا خدا ترس، رحمدل، عابد، زاہد، سخی اور بہادر تھا۔ پنج وقتہ نماز مسجد میں باجماعت ادا کرتا تھا۔ اور درویش خدا آگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں اکثر حاضر رہتا تھا۔ سلطان قطب الدین نے دہلی کی فتح کے بعد مسجد قوۃ الاسلام اور قطب مینار کی تعمیر شروع کی تھی۔ قطب مینار کے صرف دو نیچے کے درجے تعمیر ہونے پائے تھے کہ ان کی وفات ہوگئی۔ ان کے بعد سلطان التمش نے باقی اوپر کے درجے تعمیر کرا کر اس مینار کو مکمل کرایا اور مسجد قوۃ الاسلام میں بھی تین دروازے اضافہ کئے، حوض شمسی بھی ان کی یادگار ہے۔ ان کے عہد میں منڈاور ضلع بجنور جو قدیم عہد

سے بودھ مذہب والوں کا مرکزی مقام تھا اس میں ملاحدہ نے مقامی راجپوتوں سے سازش کر کے سلطنت دہلی کے خلاف ایک نہایت خطرناک طاقت جمع کر دی تھی ۶۲۴ھ میں سلطان نے فوج کشی کر کے قلعہ منڈاور کو فتح کیا اور دو مہینے منڈاور میں قیام کر کے کوہ ہمالیہ تک تمام سرکشوں کو سزائیں دیں۔ منڈاور میں جامع مسجد تعمیر کرائی جو آج تک ان کی یادگار ہے۔ ۲۰ ر شعبان ۶۳۳ھ میں سلطان التمش کا دہلی میں انتقال ہوا۔ ان کا مقبرہ پرانی دہلی میں مسجد قوۃ الاسلام کے متصل غیر مسقّف آج تک موجود ہے۔ (آئینہ ص ۲۶۰)

(۵) شمس الدین التمش کے بعد ان کے بیٹے رکن الدین کو تخت نشین کیا گیا مگر اس نے فضول خرچی اور بدنظمی شروع کی تو امراء سلطنت نے اس کو معزول کر کے سلطان شمس الدین کی بڑی لڑکی رضیہ سلطانہ کو تخت سلطنت پر بٹھا دیا۔ اس نے نہایت خوبی سے سلطنت کا انتظام کیا۔ یہ تعلیم یافتہ تجربہ کار عورت تھی۔ گھوڑے پر سوار ہوتی اور صف قتال میں شمشیر زنی کرتی تھی۔ اس نے اپنی بہادری اور ہوش مندی سے بہت سی بغاوتوں کو فرو کیا۔ مگر بعد میں اس کو ہندو فوج اور افسران فوج پر اعتماد اور دوسرے اسباب کی بنا پر شکست ہوئی اور صرف چار سال حکومت کے بعد ۶۳۸ھ میں شہید ہوگئی اس کے بعد دو سال معز الدین بہرام شاہ نے پھر چار سال التمش کے پوتے علاؤ الدین مسعود نے حکومت کی یہ بھی معزول کئے گئے۔

(۶) اس کے بعد التمش کے بیٹے سلطان ناصر الدین محمود تخت پر بٹھائے گئے اس نے امور سلطنت میں بڑی قابلیت کا ثبوت دیا۔ تاتاری مغلوں کے پیہم حملے جو ہندوستان پر ہو رہے تھے۔ ان کو شکست دی اور اندرونی باغیوں کو سزائیں دے کر مطیع بنایا، ان کی عمر کا بڑا حصہ مغلوں کی مدافعت اور بغاوتوں کے فرو کرنے ہی میں گزرا۔ یہاں تک کہ ۶۵۸ھ میں مغلوں کے بادشاہ چنگیز خاں کے پوتے ہلاکو خاں کا سفیر سلطان ناصر الدین محمود کی خدمت میں دہلی آیا۔ سلطان نے اس کی آمد پر ایک نہایت شاندار جشن مرتب کیا۔ اور پچاس ہزار سوار اور دو لاکھ پیادوں کی زرق برق لباس اور جنگی ہتھیاروں سے آراستہ فوج

اور دو ہزار جنگی ہاتھیوں کے سلسلہ میں گزارتے ہوئے اس کو دربار شاہی میں لایا گیا جہاں سونے چاندی کے جواہرات کے آرائشی سامان کے ساتھ ایک پہلو میں سادات و مشائخ و قضاۃ و علماء کی صف تھی دوسری جانب ان پچیس شہزادوں اور بادشاہوں کی قطار تھی جو خراسان، ایران و عراق، آذر بائیجان وغیرہ ممالک سے اپنی سلطنتوں کو انہی تاتاری مغلوں کے ہاتھ برباد کرا کر ہندوستان میں پناہ گزین ہوئے تھے۔ ایک قطار ہندو راناؤں راجاؤں کی تھی جو تخت شاہی کے گرد تھی۔ اس جشن کے مرعوب کن نظارہ کا یہ اثر ہوا کہ تاتاری مغلوں نے آئندہ کے لیے ہندوستان پر حملہ کا خیال دل سے نکال دیا اور اپنے سرحدی امیروں کے پاس احکام بھیج دیئے کہ آئندہ ہندوستان پر کوئی حملہ آور نہ ہو۔

اس کے بعد سلطان ناصر الدین محمودؒ کے صرف آخری چھ سال ۶۵۸ھ سے ۶۶۴ھ تک امن وامان سے گزرے۔ یہ سلطان جیسا کہ امور سلطنت و سیاست میں ماہر اور شجاع و بہادر تھا ویسا ہی عابد شب زندہ دار اور زاہد خوش اطوار بھی تھا۔

(۷) سال بھر میں دو قرآن مجید اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے فروخت کر کے اسی سے سال بھر اپنی گزر کرتا تھا۔

(۸) اس کی ایک بیوی تھی وہی اپنے ہاتھ سے روٹی پکاتی تھی۔ ایک مرتبہ اس بیگم نے عرض کیا کہ روٹی پکانے کے لیے کوئی خادمہ رکھ دیجئے۔ سلطان نے کہا کہ میری آمدنی میں اتنی گنجائش کہاں کہ نوکر رکھ سکوں۔ رہا شاہی خزانہ، وہ سب رعایا کا مال ہے۔ میں اس میں سے ایک کوڑی بھی اپنی ذات کے لیے نہیں لے سکتا۔ ۱۱ جمادی الاولیٰ میں ۶۶۴ھ کو بیس سال حکومت کے بعد ان کی وفات ہوئی۔ ان کی اولاد میں کوئی شخص تخت و تاج سنبھالنے کے قابل نہ تھا اس لے امراء سلطنت نے باتفاق رائے وزیر سلطنت الغ خاں کو سلطان غیاث الدین بلبن کا لقب دے کر تختِ سلطنت پر بٹھایا۔

(۹) سلطان غیاث الدین بلبن

سلطان التمش کے غلام اور ہم قوم تھے۔ ان کا دورِ حکومت بھی ایک خاص امتیاز رکھتا

ہے۔عدل وانصاف میں کسی بڑے سے بڑے سردار کی پرواہ نہ تھی۔فسق وفجور اور بے حیائی
کے کاموں کا اس نے بالکل قلع قمع کر دیا تھا۔نہایت عابد وزاہد متقی بادشاہ تھا۔علماء کی مجلس
میں عام لوگوں کی طرح شریک ہوتا تھا اور وعظ ونصیحت سن کر اکثر زار وزار رونے لگتا تھا۔
اس کے ساتھ رعب سلطانی کا یہ عالم تھا کہ حسب تحریر ضیاء برنی بڑے بڑے ارباب حکومت
جب اس کے دربار میں آتے تو رعب سے مدہوش ہو جاتے تھے۔ (آئینہ ص ۲۸۳)

(۱۰) سلطان غیاث الدین بلبن کا عہد ہمایوں یہ پہلا عہد تھا جس میں بیرونی
حملوں سے اطمینان ہندوستان کو نصیب ہوا اور اندرونی رفاہِ عام اور رعایا کی صلاح وفلاح
کے کاموں کی طرف پوری توجہ کی گئی۔اس عہد کے وزیر اعظم خواجہ زکی تھے جو خواجہ حسن
بصریؒ کے ہمشیر زادے تھے۔اس عہد ہمایوں میں دہلی میں بڑے بڑے علماء ومشائخ اور ہر
علم وفن کے باکمال استاد موجود تھے۔حضرت شیخ فرید الدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ
صدر الدین ابن شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا ملتانی، شیخ بدر الدین غزنوی خلیفہ حضرت شیخ
قطب الدین بختیار کاکیؒ وغیرہ مشائخ اس سلطان کے ہم عصر تھے۔مسلمانوں کے اعلیٰ
اخلاق اور مہذب طرز زندگی کو دیکھ کر ممکن نہ تھا کہ یہاں کے ہندو اسلام سے واقف ہونے
کی کوشش نہ کرتے۔چنانچہ اسی زمانہ میں ٹوانہ قوم کا مورث اعلیٰ ہندو راجپوت حضرت خواجہ
فرید الدین شکر گنج رحمۃ اللہ کے ہاتھ پر برضا ورغبت مسلمان ہوا جس کی اولاد آج تک
پنجاب کے ضلع شاہ پور وغیرہ میں آباد ہے۔اسی زمانہ میں سیال، گھگر، کھوکھر، بھٹی، جاٹ
وغیرہ قومیں انہی مشائخ عظام کی خدمت میں حاضر ہو کر پنجاب میں مسلمان ہونے لگیں۔

جواہر فریدیہ میں لکھا ہے کہ ہندوؤں کی سولہ قومیں حضرت بابا صاحب کے ہاتھ پر
مسلمان ہوئیں۔سلطان بلبن کے عہد میں ہندوؤں کے اندر اسلام کو قدرتی طور پر رسوخ
حاصل کرنا چاہیے تھا۔کیونکہ سلطان ناصر الدین محمود کا آخری عہد اور سلطان بلبن کا پورا دور
حکومت ہی ایسا زمانہ تھا جس میں سلطنت اسلامیہ نے ایک سکون کا وقت پایا۔اور تمام
تر ہمت رعایا کے امن واطمینان اور رفاہیت وآرام کے لیے صرف کی۔ (آئینہ ص ۲۸۶)

غلاموں کی سلطنت کے چھیاسی سال اور اس کے بعد خاندان خلجی کے ابتدائی دور یعنی ۶۹۴ھ تک کا زمانہ جو تقریباً سو سال کا ہو جاتا ہے۔ ہندوستان کی اسلامی سلطنت کے حدود و رقبہ کے اعتبار سے ایک جمود کا زمانہ ہے کہ سلطان شہاب الدین غوری کی وفات کے وقت جس قدر رقبہ زیرِ نگیں آ چکا تھا اس پوری ایک صدی کے مسلمان سلاطین اسی کو تھامنے اور برقرار رکھنے میں مشکل سے کامیاب ہو سکے۔ دکن اور جنوبی ہند کے ممالک کی طرف رخ کرنے کا کسی کو موقع نہیں ملا۔ کیونکہ یہ پوری صدی بیرونی اور اندرونی فتنوں اور طوفانوں سے اس طرح گھری رہی کہ ان میں سے کسی بادشاہ کو ان کے سلجھانے اور قابو میں لانے سے فرصت نہیں ملی۔ کیونکہ سلطان شہاب الدین غوریؒ جس فتنہ کے استیصال میں عمر بھر مشغول رہے اور آخر کار اسی کے ہاتھوں شہید ہوئے یعنی ''ملاحدہ الموت کا فتنہ'' اس کا بڑا حصہ اگرچہ سلطان کی کوششوں سے ختم ہو چکا تھا مگر اس کے ریشے ابھی تک ہندوستان کے اطراف خصوصاً نواحِ دہلی میں پھیلے ہوئے تھے اور ملتان پنجاب تو ان کا گھر تھا۔ ان کی شہادت کے بعد غلام خاندان کے بادشاہوں کو ان سے مڈھ بھیڑ کرنی پڑی۔ تا آنکہ تاتاری مغلوں کے سیلاب نے ۶۵۵ھ میں ملاحدہ کے مرکز الموت کو غارت کر کے ان کے آخری بادشاہ غور شاہ کو گرفتار کر لیا۔ اور ملاحدہ کے فتنہ سے عالم اسلامی نے نجات پائی لیکن اب مغلوں کا فتنہ اس کے قائم مقام ہو گیا جو انجام کار سارے فتنوں سے زیادہ اشد ثابت ہوا۔ اس فتنہ نے ٹھیک اسی سال جنم لیا تھا جس سال ہندوستان کی سلطنت تختِ غزنی کی ماتحتی سے آزاد ہو کر مستقل ہوئی اور ملک قطب الدین ایبک اس کے خود مختار سلطان تسلیم کئے گئے۔ یہ فتنہ مغولان چنگیزی کا تھا جو فتنہ تاتار کے نام سے مشہور ہے کیونکہ ملک قطب الدین ایبک کا جشن تاجپوشی ذیقعدہ ۶۰۲ھ میں ہوا۔ اور رجب ۶۰۲ھ میں تموچین نامی مشہور چنگیز خاں نے مغولستان میں اپنی خود مختار سلطنت کا اعلان کر دیا۔ ان تاتاری مغلوں کا اصل مذہب بودھوں کے مذہب سے ملتا ہے۔ یہ مورتیوں کو پوجتے تھے اور کچھ ان میں آتش پرستی شامل ہو گئی تھی۔ دوسری طرف ان لوگوں نے محض مکر و فریب سے یہ تلبیس

بھی کر لی کہ بعض جگہ اپنے آپ کو مسلمانوں کے لباس اور وضع میں پیش کیا جس سے لوگ ان کو مسلمان سمجھنے لگے راجہ شیو پرشاد ستارہ ہند اپنی تاریخ میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

''چنگیز خاں اور اس کے ساتھ والے مسلمان لوگ نہ تھے بلکہ ایک قسم کے بودھ کا دین رکھتے اور مورتیوں کو پوجتے تھے۔ (آئینہ حقیقت نما ص ۲۹۱)

سرڈی منگیزی داس یورپی مصنف اپنی ''تاریخ داس'' میں لکھتا ہے کہ

''ملک روس پر فرقہ پلافسٹی صاحب اقتدار تھا اس فرقہ نے ۶۶۱ھ میں مستسلاف حاکم کلیشیا کے پاس سفیر بھیجا کہ ہمارے ملک پر ایک ستم پیشہ اور قومی دشمن یعنی تاتار نے تاخت کی ہے۔ جنوبی سے بھی اور شمال سے بھی۔ یہ لوگ دیکھنے میں عجیب نظر آتے ہیں، گندم رنگ، کوچک چشم، موٹے موٹے ہونٹ، چوڑے چوڑے شانے، کالے کالے بال......ان سفیران نے یہ بھی کہا کہ آج ہمارے ملک پر ہے کل تمہارے ملک پر ہوگا۔ مستسلاف جانتا ہے پلافسٹی ہمارے ملک پر حملہ کیا کرتے ہیں لیکن اس جدید دشمن سے چونکہ ہم کو اور ان کو مساوی اندیشہ ہے لہٰذا مدد پر آمادہ ہوگیا اور گرد ونواح کے امیروں کو بھی ہمراہ کرلیا۔ مقابلہ ہونے پر سب نے تاتاریوں سے شکست کھائی۔ تاتاریوں نے پولینڈ، ہنگری، سرویا تک کے ممالک کو برباد وغارت کرکے دریائے والگا کے جنوبی ملکوں میں آکر اس کے امراء کو پیغام بھیجا کہ ہمارے خاندان کی خدمت میں آکر حاضری دو۔ روسیوں کو اول معلوم نہ تھا کہ یہ قومی دشمن کون ہے، کہاں سے یہ لوگ آئے ہیں اور کیا مذہب رکھتے ہیں۔ نہ صرف کشور روس میں انہوں نے استیلاء پایا بلکہ ان کی وجہ سے مغربی یورپ اور انگلستان میں خوف سے لرزہ پیدا ہوگیا۔ یہ گروہ جو تمام براعظم ایشیا میں پھیلا ہوا تھا اور جو وسط یورپ تک پہنچ گیا تھا۔ دراصل چین کے شمال پہاڑوں میں دریائے آمور کے منبع کے قریب رہتا تھا۔ بارھویں صدی عیسوی (چھٹی صدی ہجری) کے اختتام پر ان میں ایک آدمی پیدا ہوا جس کا قد مثل دیو کے تھا اور بہادری میں مشہور تھا۔ یہ دیوہیکل آدمی چنگیز خاں تھا۔ گرد ونواح کی قوموں کو شکست دے کر اپنے لشکر میں شامل کر کے شمالی

چین کے بڑے ملک پر قابض ہوگیا اور اپنا ایک سردار روس کی فتح کے لیے
نامزد کر کے خود جانب مغرب روانہ ہوا۔ چنگیز خاں نہ صرف ظالم وسفاک تھا
بلکہ ایک عظیم الشان ناظم ومقنن بھی تھا۔ چنگیز خاں کے پوتوں میں سے ایک
نے سرحد روس پر ایک سلطنت کی بنیاد ڈالی کہ عام طور پر اس کا نام جماعت
طلائی مشہور تھا۔ والگا کی جانب جنوب میں ایک دارالسلطنت آباد کیا جس کا
نام سرائی تھا۔ اب وہ آباد نہیں بلکہ ویران ہے۔

(از آئینہ حقیقت نما ص۲۹۲)

یہی فتنہ تاتار یورپ وایشیا کے ممالک پر عام ہوتا ہوا خلافت عباسیہ بغداد کی تباہی کا سبب بنا۔ بغداد میں ایک ماہ تک مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ لاکھوں نہیں کروڑوں مسلمان ان کی تلوار سے شہید ہوئے۔ سبکی نے طبقات الشافعیہ میں لکھا ہے کہ صرف شہر بغداد کے محاذ پر ایک کروڑ آٹھ لاکھ مسلمان شہید کئے گئے۔ (طبقات الشافعیہ ص۱۱۵ ج۵)

سلطنت عباسیہ کے آخری خلیفہ کو نہایت بے دردی کے ساتھ قتل کیا گیا۔ اس طرح یہ تاتاری طوفان گویا دنیا کے سب گوشوں پر چھا گیا۔ اس کی زد سے اگر بچا تو صرف ہندوستان، اور مصر، اور یہ بھی عجائب عالم سے ہے کہ یہ دو ملک جو اس طوفان کی رو سے بچے دونوں پر غلاموں کی سلطنت تھی۔ صرف انہی کی دو سلطنتیں ان کے مقابلہ میں فتح منداور کامیاب ہوئیں۔ جس کا کھلا ہوا سبب مؤرخین کی نظر میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ ان غلام بادشاہوں میں دینداری، مذہب پرستی، خداترسی غالب تھی۔ اور ان کے سوا مسلمان بادشاہوں میں بھی عام طور پر عیش پرستی اور حُبِّ دنیا غالب تھی وہ مذہب اور خداترسی کے اصول سے دور جاپڑے تھے۔

اس جگہ فتنہ، تاتار کی تاریخ لکھنا نہیں کہ یہ خونیں داستان ہے جو ایک مستقل تصنیف چاہتی ہے۔ اور علماء نے اس پر مستقل تصانیف لکھی بھی ہیں۔ اس جگہ تو صرف بتلانا منظور تھا کہ ہندوستان کی مستقل اسلامی سلطنت کو اپنی عمر کی پہلی ہی منزل میں کس قدر سخت طوفانِ حوادث سے دوچار ہونا پڑا اور یہ کہ مسلمانوں کے غلاموں نے ان حوادث کا کس طرح مقابلہ کیا۔

غلام سلاطین کے اس احسان عظیم میں ہر ایک ہندی انسان کا ذرہ ذرہ دبا ہوا ہے کہ انہوں نے تاتاری مغلوں کو پنجاب اور ملتان کی جانب بھی اور بنگال و آسام کی جانب بھی ہندوستان کے اندر قدم رکھنے سے بار بار روکا۔ اور اس ملک میں آزادی سے قتل و غارت کرنے کا موقع نہیں دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان وحشی مغلوں نے ایران، عراق و شام، آذر بائیجان، وغیرہ اسلامی ممالک کو برباد کر کے خلافت عباسیہ کا چراغ بھی بغداد میں گل کر دیا۔ اور کروڑوں مسلمانوں کو خاک و خون میں ملا کر روس اور وسطِ یورپ تک کی دنیا کو تہ و بالا کر ڈالا۔

اگر سلطان شمس الدین التمش چنگیز خاں کو ہندوستان میں داخل ہونے کا موقع دے دیتا اور مغل اپنی ہوس خونریزی ہندوستان میں پوری کر سکتے تو ان کو ہرگز ممالک اسلامیہ کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت نہ رہتی۔ اور آج دنیا میں رام و کرشن کے نام کی سمرتی جپنے والا ایک متنفس بھی موجود نہ ملتا۔ مغولانِ چنگیزی کی نسلوں سے ہندوستان کی بستیاں پر ہوتیں۔ اور چنگیز خاں کی مورتیاں ایک سب سے بڑے اوتار کی مورتیوں کی مانند ہندوستان کے مندروں میں براجمان نظر آتیں۔ راجہ شیو پرشاد صاحب ستارۂ ہند اپنی تاریخ جلال الدین خوارزمی کے دریائے اٹک سے پار آنے اور اس کے تعاقب میں مغلوں کی ایک فوج کے اس طرف پہنچنے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> وہ (جلال الدین خوارزمی) سندھ سے ایران کی طرف روانہ ہوا۔ تب ان مغلوں کی فوج بھی الٹی گھر گئی۔ لیکن نمونہ اپنے ظلم کا اتنے ہی عرصہ میں دکھا گئی کہ دس ہزار ہندو غلام بنانے کے لیے قید کر لئے گئے اور جب لشکر میں رسد کی قلت ہوئی تو بے تکلف ان سب غلاموں کے سر کاٹ ڈالے۔"
>
> (آئینہ حقیقت نما ص۲۹۱)

مغولانِ تاتار کا یہ سیلاب مسلمانوں کے لیے ایک تازیانہ عبرت تھا کہ وہ خوابِ غفلت سے بیدار ہوں اور تعلیمات اسلامی سے دور و مہجور ہونے کی سزا پا کر اعمالِ اسلامی کی پابندی میں اپنی نجات و فلاح تلاش کریں۔ کیونکہ انہی مغولان چنگیزی کو جن سے ساری دنیا لرزاں

وترساں تھی۔ مسلمانوں کے غلاموں سے جواحکامِ اسلام کے پابند تھے جب مصرو ہندوستان
میں واسطہ پڑا تو دونوں جگہ بار بار نہایت ذلت کے ساتھ شکستیں کھائیں اور جس زمانہ میں
مغلوں کی خون آشامی کے سبب تمام دنیا میں قتل و غارت کے ہنگامے برپا اور خون کے
فواروں کے ساتھ آگ کے شعلے بلند ہورہے تھے۔ اس زمانہ میں ہندوستان کے اندر غلام
سلاطین کی ہندو رعایا امن و امان کے ساتھ انند کے ستار بجارہی تھی۔ اور سلطان غیاث
الدین بلبن کا چچازاد بھائی شیر خاں اور سلطان کا بیٹا خان شہید ہندوستان کی مغربی سرحد پر
مغلوں کے حملوں کو روکنے اور بار بار شکست دے کر بھگا دینے میں مصروف تھے تا آنکہ اسی
میں اپنی جان دے دی۔ اس کے ساتھ تاریخ کا یہ سانحہ بھی حیرت وعبرت کا مرقع ہے کہ
پنجاب کے بعض ہندو راجا ان حالتوں میں بھی تاتاریوں سے سازباز کر کے ان کے حملوں کو
کامیاب بنانے کا موجب ہوجاتے تھے۔ ۶۴۳ھ میں جو حملہ مغلوں نے پنجاب پر کیا وہ
ضلع جہلم کے ایک ہندو رانا کی سازش سے کیا تھا۔

چالیس سے زائد فرمانبرواؤں نے ہندوستان میں پناہ لی

اس طوفانی زمانہ میں غلاموں نے جس طرح ہندوستان میں امن وامان قائم کر رکھا
دنیا میں اس کی کوئی نظیر نہیں تلاش کی جاسکتی۔ یہی وجہ تھی کہ چالیس کے قریب تباہ شدہ
فرمانرواؤں نے براعظم ایشیا کے مختلف ممالک سے فرار ہوکر ہندوستان میں پناہ لی۔

اس جگہ یہ بھی بتلادینا ضروری ہے کہ جس طرح مسلمانوں نے سلاجقہ اور ترکانِ غز کو
بالآخر مسلمان بنا کر مہذب وشائستہ بنالیا تھا اسی طرح وہ مغولان چنگیزی کو بھی مہذب اور
شفیق علیٰ خلق اللہ بنالینے میں کامیاب ہوئے اور وہی مغول تاتاری جو انسانوں کا خون
بہانے میں لذت محسوس کرتے تھے، مسلمان بن کر نہ صرف مسلمانوں بلکہ انسانوں کے خادم
اور شفیق بن گئے۔

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانہ سے ۔۔۔ پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانہ سے

بات کہیں کی کہیں جانکلی اور موضوعِ رسالہ سے دور نکل گئی۔ موضوع رسالہ کے متعلق

تو سلطنتِ غلاماں میں کوئی بات قابل ذکر نہ تھی صرف اتنا لکھ دینا ہی کافی تھا کہ اس پورے عہد میں کوئی جدید فتح اور اضافہ ہندوستان کی اسلامی سلطنت میں نہیں ہوا۔

لذید بود حکایت دراز تر گفتم

خاندانِ خلجی کی حکومت اور فتح دکن و جنوبی ہند

سلطان غیاث الدین بلبن کی اولاد میں کوئی لائق شخص موجود نہ تھا لہٰذا امراء سلطنت کے مشورہ سے خلجی خاندان کے ایک امیر جلال الدین کو جو سامانہ کا نائب ناظم اور ستر برس کا تجربہ کار شخص تھا یہ سلطنت اس کے سپرد ہوئی۔ یہ بات پہلے کسی جگہ گزر چکی ہے کہ خاندان خلجی افغانی النسل غزنی کے آس پاس میں رہتا تھا بعض مؤرخین نے ان کو پٹھانوں کی قوم غلزئی قرار دیا ہے اسی کو خلجی کہنے لگے۔

سلطان شہاب الدین غوری کے آخر عہد حکومت میں ایک شخص بختیار خلجی کا ذکر آ چکا ہے جس نے ملک بہار و بنگال و آسام فتح کیا تھا۔ اسی وقت سے خلجی خاندان کے بہت سے لوگ قطب الدین ایبک کے زمانہ سے ہندوستان میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے۔ اب ہندوستان کی سلطنت مستقل طور سے اس خاندان میں منتقل ہوگئی۔ اس خاندان میں صرف تینتیس سال سلطنت رہی۔ یعنی ۶۸۸ھ سے ۷۲۱ھ تک۔ یہ خاندان ہندوستان کی خودمختار اسلامی سلطنت کا دوسرا خاندان تھا۔ اسی کے عہد حکومت میں ملک دکن و جنوبی ہند کے سلطنت اسلامیہ میں شامل ہو جانے سے سلطنت اسلامیہ کی حدود کوہ ہمالیہ سے راس کماری تک اور سندھ و گجرات سے بنگال و اڑیسہ تک وسیع ہوگئیں اور اس وقت وہ براعظم جس کو جغرافیہ میں ہندوستان یا انڈیا کہا جاتا ہے وہ سب اسلامی سلطنت دہلی کے زیر نگیں آ گیا۔

دکن کی فتح سلطان جلال الدین خلجی کے داماد اور بعد میں ہونے والے سلطان ہند علاؤ الدین خلجی کے ہاتھ پر مکمل فتح ہوئی۔ سلطان جلال الدین خلجی ایک نیک متقی اور با خدا آدمی تھا۔ پنج وقتہ نمازیں مسجد میں آ کر عام لوگوں کے ساتھ با جماعت پڑھتا تھا۔ اس کی سخاوت و

داد و دہش نے لوگوں کو اس کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ تاتاری مغلوں کا ایک حملہ ہندوستان پر ۶۹۱ھ میں ہوا جس کا مقابلہ جلال الدین نے بڑی دلیری اور قوت کے ساتھ کر کے پسپا کیا اور بہت سے مغل سردار گرفتار کر کے دہلی لائے گئے۔ پھر ان سب کو بعد مصالحت کے آزاد کر دیا گیا۔ مگر ان میں سے چند اپنی خوشی سے یہیں مقیم ہو گئے اور وہ سب کے سب بخوشی مسلمان ہو گئے۔ سلطان نے ان میں سے ایک نومسلم الغوخان کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کر دی اس کے بعد یہ لوگ یہیں مستقل وطن بنا کر رہنے لگے۔

فتح دکن

علاؤ الدین خلجی جو سلطان وقت جلال الدین خلجی کا داماد تھا اور اس کی طرف سے ملک اودھ وغیرہ کا حاکم و عامل تھا۔ اپنی خوش دامن ملکہ جہاں اور اپنی بیوی سے خانگی امور کی بنا پر سخت ناراض اور عاجز تھا۔ یہاں ہندو سرداروں نے اس کی مصاحبت میں اثر و رسوخ پایا تو اس کو سلطان کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ کر دیا مگر اب سوال مصارف جنگ اور روپیہ کا تھا اس کے لیے اس کے ہندو مشیروں نے رائے دی کہ دکن کو اول باجازت سلطان فتح کرے۔ وہاں سے مال و دولت حاصل کر کے خود قوت حاصل کرے۔ پھر سلطان کا مقابلہ کرے۔ چنانچہ علاؤ الدین خلجی نے سلطان سے عرض کیا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں ایک دو سال کڑہ اور اودھ کا خراج سلطان کی خدمت میں نہ بھیجوں اور اس روپیہ کو جنگی طاقت بڑھانے میں صرف کر کے چندیری کے سرکشوں کو سزا دوں اور دکن کو فتح کروں، سلطان نے بخوشی اجازت دے دی، تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے:

> سلطان جلال الدین ملتمس اور امبذول داشت و خالی الذہن ازانکہ غرض ملک علاؤ الدین ازیں مقدمات ہمہ آنست کو خود راز تحکمات ملکہ جہاں کہ کمال تسلط بر بادشاہ داشت واز استیلائے اوچیزے بعرض نمی تو انست رسانید ساختہ ہمیشہ در سفر دور و دراز باشند۔“

۶۹۲ھ میں علاؤ الدین نے ہندو اور مسلمانوں کی مشترک فوج اور ہندو مشیروں کو

ساتھ لے کر اول بھیلسہ پر حملہ کیا اور اس کو فتح کر کے بھیلسہ کے بڑے بت کو گاڑی پر لدوا کر مصلحۂ دہلی بھیج دیا تا کہ سلطان کسی شبہ میں نہ پڑے۔ اس حملہ اور فتح میں چونکہ ہندو سردار خود شریک تھے اور اس کو سلطنت اسلامیہ کی تباہی کا پیش خیمہ سمجھ رہے تھے اس لئے ان سب باتوں پر کوئی اظہار ناراضی کسی طرف سے نہیں ہوا۔ بلکہ بھیلسہ والوں نے جن کے ساتھ یہ فاتحانہ سلوک کیا گیا تھا خود علاؤ الدین کو دیوگیر کے بڑے مال و دولت کی خبر دی اور آگے بڑھ کر اس پر حملہ کرنے کا مشورہ دیا۔ تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے:

''درآنچہ علاؤ الدین در بھیلسہ رفت خبر بسیارے مال و پیل دیوگیر بسمع او افتادہ، رفتن دیوگیر از آنجائیاں پرسید و در خاطر کرد کہ از کڑہ استعداد کند و سوار پیادہ بسیار چاکر گیرد و سلطان جلال الدین را علم ند ہد و جانب دیوگیر لشکر کشد۔''

دیوگیر (دولت آباد) کی فتح صلحاً

غرض ۶۹۴ھ میں علاؤ الدین نے چھ ہزار سواروں کا لشکر ساتھ لے کر کڑہ سے کوچ کیا۔ اور شہرت یہ دی کہ چندیری پر حملہ کے لیے جانا ہے۔ اس سفر میں کڑہ کے ہندوؤں کی بھی ایک جماعت ساتھ لی۔ نو سو میل کا سفر دو مہینے میں طے کر کے ملک مرہٹ میں داخل ہوا۔ اور شہر ایلچپور پر قبضہ کیا۔ ایلچپور میں دو روز قیام کر کے دیوگیر (دولت آباد) کی طرف بڑھا۔ دیوگیر کا راجہ رام دیو شہر سے نکل کر دیوگیر سے دو میل کے فاصلے پر صف آرا ہوا۔ علاؤ الدین نے پہلے ہی حملے میں رام دیو اور اس کی فوج کو میدان سے بھگا دیا۔ شہر کے متصل قلعہ تھا۔ راجہ میدان سے فرار ہو کر شہر میں نہیں لڑ سکا۔ بلکہ قلعہ میں پناہ گزیں ہوا۔ اور علاؤ الدین نے آگے بڑھ کر شہر پر قبضہ کیا اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ رام دیو کا بیٹا کسی مندر کی زیارت کے لیے باہر گیا ہوا تھا اس نے جب باپ کے محصور ہونے کی خبر سنی تو اردگرد کے راجاؤں کو مع افواج کے ہمراہ لے کر آیا اور دیوگڑھ سے تین کوس کے فاصلے پر ٹھہر کر علاؤ الدین کے پاس پیغام بھیجا کہ قلعہ سے محاصرہ اٹھا کر چلے جاؤ ورنہ ہم حملہ آور ہوتے ہیں۔ علاؤ الدین نے

ایک ہزار فوج قلعہ کے محاصرہ پر مامور رکھی اور باقی پانچ ہزار سپاہی لے کر رام دیو کے بیٹے پر حملہ آور ہوا اور اس کو مع ہمراہی راجاؤں کے شکست دے کر بھگایا۔ اور قلعہ کے محاصرہ میں پہلے سے زیادہ شدت کو کام میں لایا۔ اور رآم دیو نے تقریباً ایک مہینہ محصور رہنے کے بعد مجبوراً اور بیرونی امداد سے مایوس ہو کر اپنے ایلچی علاؤالدین کے پاس بھیجے اور چھ سو من سونا، ایک ہزار من چاندی، سات سو من موتی اور دو من جواہرات اور چار ہزار ریشمین کپڑے کے تھان دے کر صلح چاہی۔ علاءالدین نے اس مال و دولت کے علاوہ ایلچپور اور اس کے متعلقہ علاقہ کا بھی مطالبہ کیا۔ اور رآم دیو نے اپنی ریاست کا یہ حصہ علاؤالدین کو دینا منظور کر لیا۔ تاریخ فرشتہ کے الفاظ یہ ہیں:

''ایلچیاں بعد الحاح و مبالغہ تمام قرار دادند کہ رام دیو شش من طلاء و ہفت من مروارید و دو من جواہر از لعل و یاقوت و الماس و زمرد و یک ہزار من نقرہ و چہار ہزار جامہ ابریشمی و دیگر اجناس کہ تفصیلش موجب تطویل می گردد و عقل نیز از تصدیق آں اباوارد داخل سرکار علاؤالدین ساختہ ایلچ پور با توابع و مضافات آں تبصرف متعلقان او بگزارد و یا در ضبطِ خود داشتہ محصول آں ولایت بکڑھ می فرستادہ باشد۔''

علاؤالدین چونکہ سلطنت دہلی سے دور و بے تعلق زندگی بسر کرنے کے لیے کوئی زاویہ تلاش کرنا چاہتا تھا اس لیے ایلچ پور (ایلچپور) اور اس کے متعلقہ علاقہ کو اپنے قیام کے لیے رام دیو کی ریاست سے جدا کر لینا ضروری سمجھا لیکن علاؤالدین کو جب دیوگیر سے بے قیاس دولت حاصل ہوگئی تو وہ اب ایلچپور میں زیادہ نہیں ٹھہر سکا تھا وہ یہاں سے اپنے دارالحکومت کڑآہ پہنچا اور ہندو مشیران کے مشورہ کے موافق سلطان جلال الدین کے قتل کا مصمم ارادہ کر لیا۔ یہ دولت جو علاؤالدین کو دیوگیر سے حاصل ہوئی اس تمام مال و دولت کے مجموعہ سے بدر جہا زائد تھی جو محمد بن قاسم کے زمانہ سے لے کر شہاب الدین غوری کے عہد تک مسلمانوں نے ہندوستان سے حاصل کی تھی۔ اب علاؤالدین کے لیے سلطان جلال الدین کا مقابلہ دشوار نہ تھا وہ سلطان کے قتل کی تدابیر میں مصروف ہو گیا۔ اور ۱۷ رمضان

۶۹۵ھ کو سلطان جلال الدین اپنے بھتیجے اور داماد علاؤ الدین خلجی کے ہاتھ سے کڑہ اور مانکپور کے درمیان دریائے گنگ کے کنارے مارا گیا۔

اس وقت سلطان جلال الدین کا بڑا بیٹا ارکلی خان ملتان کا صوبہ دار تھا اور وہاں مغلوں کے حملے روکنے میں مصروف تھا۔ ملکہ جہاں نے فوری نظم قائم رکھنے کے لیے بجائے اس کو بلانے کے اپنے چھوٹے بیٹے کو تخت پر بٹھا دیا۔ یہ سلطنت کی اہلیت نہ رکھتا تھا۔ علاؤ الدین اس عمل سے خوش ہوا۔ اور فوج کے ساتھ دہلی کا رخ کیا۔ ملکہ جہاں فوج کشی کی خبر سنکر اپنے چھوٹے بیٹے کو ساتھ لے کر ملتان پہنچ گئی اور ۶۹۶ھ میں علاؤ الدین نے تخت دہلی پر جلوس کیا اور ملتان کی جانب فوج بھیج کر سلطان جلال الدین کے بیٹوں کو گرفتار کر کے اندھا کرا دیا۔ جس کی سزا کا قدرت نے ساتھ ہی ساتھ یہ سامان کر دیا کہ علاؤ الدین کا اعتماد ہندوؤں پر بڑھتا گیا۔ گجرات کا راجہ کرن باغی ہو گیا تھا اس کے مقابلے پر فوج بھیجی۔ یہ بدحواس ہو کر بھاگ گیا۔ اس کی بیوی کنولا دیوی گرفتار ہو کر دہلی لائی گئی۔ اس نے اس شرط پر اسلام قبول کر لیا کہ اس کو بانوئے سلطنت ملکہ جہاں بنا لیا جائے۔ علاؤ الدین نے اس کو منظور کر لیا اور اس کو بیوی بنا لیا۔ جس سے ہندوؤں کا مزید رسوخ اس کے دربار میں پیدا ہوا۔ دوسری طرف اسی حملہ گجرات میں علاقہ کھبائیت سے ایک ہندو بچہ جو خوجہ بنا کر کسی ساہوکار کے قبضہ میں تھا دہلی لایا گیا۔ اس نے سلطان علاؤ الدین کی خدمت میں بڑا اثر و رسوخ حاصل کر لیا۔ اور ملک کافور کے خطاب سے مخاطب اور رفتہ رفتہ ترقی کر کے ہزار دیناری اور بالآخر وزیر اعظم بن گیا۔ اور پھر یہی ہندو بچہ سلطان علاؤ الدین کو زہر دے کر مارنے اور اس کے تین بیٹوں کو قلعہ گوالیار میں قید کرانے کے بعد ان کی آنکھیں نکلوانے اور اندھا کرنے کا سبب بنا۔ اور چھوٹے بیٹے کو برائے نام تخت پر بٹھا کر خود تمام بر اعظم ہندوستان پر سلطنت کرنے لگا۔ مگر قدرت نے اس کو بھی زیادہ مہلت نہ دی اور سلطان علاؤ الدین کی موت سے صرف ۳۵ دن کے بعد یہ بھی قتل کر دیا گیا۔ (آئینہ ص ۳۲۳)

یہ دنیا اگرچہ دار الجزا نہیں مگر ظلم کی سزا اکثر دنیا میں بھی مل جاتی ہے ایک ظالم دوسرے

ظالم پر مسلط کر دیا جاتا ہے۔

كَذٰلِكَ نُوَلِّي بَعْضَ الظَّالِمِيْنَ بَعْضاً

علاؤالدین خلجی نے اپنے چچا و خسر اور چچازاد بھائیوں کے ساتھ جو کچھ کیا قدرت نے اپنے غیر محسوس انتظام و انتقام سے اسی کا چربہ اس کے بیٹوں کے حق میں اتار دیا خود اپنے دست پروردہ کے ہاتھ سے ہلاک ہوا اور بیٹے اندھے کئے گئے۔ فَتَعَالَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَا اِلٰهَ غَيْرُهٗ .

بد نہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

علاؤالدین خلجی کا یہ افسوس ناک حال اضطراراً زبان قلم پر آ گیا جس کو ہماری بحث سے تعلق نہیں۔ اس نے جو برائی کی وہ اپنے حق میں کی۔ وَلٰكِنْ كَانُوْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ. لیکن ہندوستان کی سلطنت کے لیے بلاشبہ بہت سی نمایاں خدمات انجام دیں۔ جن میں سے دکن اور تمام جنوبی ہند کی فتح اور تاتاری مغلوں کے پیہم اور سخت مقابلے اور پھر ہندوستان کے قلمرو میں مکمل امن و امان اور ظلم و جور، رشوت ستانی، شراب خوری، اور جھوٹ دغابازی کا مکمل قلع قمع کر دینا خاص طور سے قابل ذکر ہیں جن کا اجمالی بیان آگے آتا ہے۔

قلعہ رنتھمبور کی فتح

۶۹۹ھ میں علاؤالدین نے قلعہ رنتھمبور پر حملہ کیا یہاں کا راجہ ہمیر دیو پرتھی راج کی نسل سے تھا اور عرصہ دراز سے خود مختار ہو گیا تھا۔ تازہ خطا اس کی یہ تھی کہ اس نے نومسلم مغلوں کو جن کا سردار محمد شاہ نامی ایک شخص تھا اور جو الغ خاں اور نصرت خاں کی فوج سے باغی ہو کر چلے آئے تھے، اپنے یہاں پناہ دی تھی۔

سلطان نے رنتھمبور پہنچ کر محاصرہ شروع کیا۔ رنتھمبور کا محاصرہ ایک سال تک جاری رہا۔ نصرت خاں اسی دوران میں ایک پتھر لگنے سے مارا گیا۔ آخر سلطان نے قہر و شوکت کے ساتھ اس قلعہ کو فتح کیا۔ ہمیر ودیو اور اس کے متعلقین قتل ہوئے۔

محمد شاہ باغی کی دلیری

فتح ہونے کے بعد سلطان نے محمد شاہ باغی کو مقتولین کے اندر زخمی پڑا ہوا دیکھا اور کہا کہ اگر ہم تیری مرہم پٹی کریں اور تو اچھا ہو جاوے تو کیا احسان مانے۔ اس نے سلطان علاؤ الدین کو جواب دیا کہ اگر میں تندرست ہو جاؤں تو تجھے قتل کروں اور تیری جگہ ہمیر دیو کے بیٹے کو ہندوستان کا بادشاہ بناؤں۔ علاؤ الدین نے یہ سن کر اس کو ہاتھی کے پاؤں سے کچلوا دیا۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد اس کی بہادری اور سابق وفاداری کا خیال آیا تو بڑی عزت و احترام کے ساتھ اس کے جنازہ کو دفن کرایا۔

بیوفائی کی سزا

اور ہمیر دیو کے وزیر نمل کو جو محاصرہ کے شروع ہی میں سلطان کی خدمت میں حاضر ہو گیا تھا اپنے سامنے بلوایا اور کہا کہ تم نے اپنے قدیم آقا کے ساتھ کون سی وفاداری کی ہے جو تم سے وفا کی توقع رکھیں یہ کہہ کر اس کو بھی قتل کرا دیا۔ یہ قلعہ اپنے بھائی الغ خاں کو دے کر خود دہلی روانہ ہو گیا۔ (آئینہ ص ۳۰۹)

قلعہ چتوڑ پر حملہ

شعبان ۷۰۲ھ میں چتوڑ پر لشکر کشی کی اور ششماہہ محاصرہ کے بعد محرم ۷۰۳ھ میں اس کو فتح کر کے اپنے بڑے بیٹے خضر خاں کو چتوڑ کا حاکم مقرر کیا اور چتوڑ کے راجہ رتن سین کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ دہلی لایا۔ رتن سین کا خواہر زادہ خود بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مصاحبین میں داخل ہو گیا۔ (آئینہ ص ۳۱۲)

بقیہ دکن اور جنوبی ہند کی مکمل فتح

۷۰۶ھ میں سلطان علاؤ الدین نے اس ہندو غلام کو جو علاقہ کھمبایت سے سلطان کی خدمت میں لایا گیا تھا اور خوشامد و چاپلوسی سے اس نے سلطان کے دل میں اپنی جگہ حاصل کر کے ہزار دیناری کا عہدہ اور ملک کافور خطاب حاصل کر لیا تھا۔ اب اس کو ملک نائب کا

خطاب دے کر خلعت فاخرہ اور سرخ شامیانہ جو بادشاہ کے سوا دوسرا استعمال نہ کر سکتا تھا عطا کیا اور تمام امراء سے اس کا مرتبہ بلند کر کے سپہ سالاری اور وزارت عظمیٰ کا عہدہ جلیلہ دے کر ایک لاکھ سواروں کے ساتھ ملک دکن کی جانب روانہ کیا اور ایک نہایت تجربہ کار ہوشیار امیر خواجہ حاجی نامی کو اس کے ہمراہ کیا۔ اور عین الملک ملتانی حاکم مالوہ اور الغ خاں حاکم گجرات کے نام فرامین جاری کئے کہ اپنی اپنی فوجیں لے کر بطور کمک ملک کافور کے ساتھ شامل ہو جائیں۔

ملک کافور ایک ناتجربہ کار ہندوزادہ نوجوان تھا۔ وہ ہرگز قابلیت سپہ سالاری نہیں رکھتا تھا۔ لیکن بادشاہ کو اس کی عزت افزائی مقصود اور اپنے اقبال سلطانی کا امتحان منظور تھا۔ اسی لیے اس کو سب سے بڑا عہدہ دے کر تجربہ کار امراء کو اس کے ساتھ کیا کہ یہ مہم کافور کے نام سے کامیاب ہو۔

دکن کی جانب اس فوج کشی کا سبب یہ تھا کہ دیوگیر کا راجہ رام دیو جو علاقہ ایلچپور کی آمدنی اور مقررہ خراج برابر سلطان کی خدمت میں بھیجتا رہتا اس نے ۷۰۳ھ یعنی تین سال سے خراج بھیجنا بند کر دیا تھا۔ ادھر گجرات کا راجہ کرن باغی ہوا اور اس پر حملہ کیا گیا تو وہ اپنی بیوی کنولا دیوی اور خزانہ کو حملہ آوروں کے پنجہ میں چھوڑ کر دیوگیر کی جانب بھاگ گیا تھا۔ اور وہاں رام دیو کی مہربانی سے گجرات و دیوگیر کی سرحد پر مقام بگلانہ میں اس کو جگہ مل گئی تھی۔ بگلانہ اور اس کے مضافات پر وہ ایک چھوٹے سے رئیس کی صورت سے حکومت کرتا تھا۔ گجرات اسلامی حکومت میں شامل تھا اور الغ خاں ثانی اس پر حاکم تھا۔ بگلانہ اگرچہ ملک گجرات ہی کا ایک حصہ تھا مگر مسلمانوں نے راجہ کرن کو وہاں سے بے دخل کرنے کی اب تک مطلق کوشش نہیں کی تھی۔

ملک کافور اور خواجہ حاجی جب دہلی سے روانہ ہونے لگے تو راجہ کرن کی بیوی کنولا دیوی جو گرفتار ہو کر دہلی آئی تھی۔ اس نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں جب گجرات میں آپ کی خدمت میں آئی تو اس وقت میری ایک بیٹی راجہ کرن کے نطفہ سے

چار سال کی تھی وہ اتفاقاً وہیں رہ گئی۔ اور مجھ کو معلوم ہوا کہ وہ بگلانہ میں راجہ کرن کے پاس موجود ہے۔ آپ ایسی کوشش کریں کہ میری بیٹی جس کا نام دیولؔ دیوی ہے میرے پاس آ جائے اور میں اس کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کروں۔ بادشاہ نے فوراً ملک کافور اور خواجہ حاجی کو تاکید کردی اور الغ خاں حاکمِ گجرات کو بھی لکھا کہ جس طرح ممکن ہو دیول دیوی کو راجہ کرن سے حاصل کر کے دہلی بھجوادو۔ ملک کافور اور خوآجہ حاجی اور عین الملک الغ خاں سب نے سرحد دکن پر جمع ہو کر مقام سلطان پور میں قیام کیا۔ رائے کرن اور رام دیو کو خطوط لکھ کر سلطانی احکام سے مطلع کیا۔ اور راہ راست پر لانے کی کوشش کی۔ مگر ان خطوط کا جواب ان راجاؤں کی طرف سے حسب منشاء نہ ملا تو الغ خاں نے کوہستانہ بگلانہ کی جانب اور ملک کافور و خواجہ حاجی نے دیوگیر کی جانب پیش قدمی کی۔ الغ خاں دو مہینہ تک راجہ کرن سے لڑتا رہا اور اس کا پہاڑوں میں تعاقب کرتا رہا۔ آخر منارات ایلورا کے متصل پہنچ کر اس نے دو روز قیام کیا۔ اس کی فوج کے کچھ سپاہی منارات ایلورا کی سیر کرنے گئے وہاں ان کو اتفاقاً دشمنوں کا ایک دستۂ فوج ملا جو دیول دیوی کا ڈولہ لئے ہوئے دیوگیر کی جانب جا رہا تھا۔ مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں نے ہندوؤں کو مقتول و مفرور بنا کر ڈولہ پر قبضہ کرلیا اور الغ خاں کے پاس آئے وہ بہت خوش ہوا اور دیول دیوی کو دہلی کی جانب بحفاظت روانہ کیا۔ کنولا دیوی بیٹی کو دیکھ بہت خوش ہوئی اور اس کی شادی خضر خاں ولی عہد سلطنت سے ہوئی۔

دوسری طرف ملک کافور اور خواجہ حاجی نے دیوگیر کو فتح کر کے رام دیو کو اسیر کیا اور بادشاہ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ جب رام دیو گرفتار ہو کر دہلی پہنچا تو سلطان علاؤ الدین نے اس کے ساتھ نہایت عزت و مرحمت کا برتاؤ کیا۔ اس سے اقرار اطاعت لے کر اور رائے رایان کا خطاب دے کر چتر سفید عطا کیا اور دیوگیر کی ریاست پھر اسی کو واپس دے کر گجرات کے ملک میں سے بھی ایک قطعہ بطور انعام اپنی طرف سے عطا کیا۔ اس کے تمام عزیز و اقارب اور بیٹوں کو بھی رہا کر کے نہایت تزک و احتشام کے ساتھ دیوگیر کی جانب رخصت کیا۔ اس کے بعد جب تک رام دیو زندہ رہا سلطان کا وفادار و خدمت گار رہا۔

جس زمانہ میں ملک کافور کو دیوگیر کی جانب روانہ کیا اس کے بعد ہی بادشاہ نے قلعہ سیوآنا کے راجہ سیتل دیو کی شکایت سنی اور خود اس طرف روانہ ہوا۔ سیتل دیو نے اپنی تمثال سونے کی بنوا کر اس کے گلے میں زنجیر ڈال کر بادشاہ کی خدمت میں روانہ کی مگر بادشاہ نے اس کی خطا اس وقت تک معاف نہ کی جب تک وہ خود گلے میں زنجیر ڈال کر حاضر نہ ہوا۔

ورنگل کی فتح صلحاً

۷۰۷ھ میں ایک حملہ ورنگل کے راجہ لاردیو پر اس نواح کے شاہی سرداروں نے کیا تھا جس کا کوئی نتیجہ کامیابی کی شکل میں ظاہر نہ ہوا۔ سلطان نے ۷۰۹ھ میں دوبارہ ملک کافور اور خواجہ حاجی کو روانہ کیا اور ملک کافور کو نصیحت کی کہ خواجہ حاجی کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہ کرے۔ ساتھ ہی حکم دیا کہ اول دیوگیر پہنچو پھر وہاں سے ورنگل پر حملہ کرو۔ یہ بھی حکم دیا کہ تم دیوگیر پہنچ کر اول لاردیو کے پاس پیغام بھیجو کہ سلطانی اطاعت قبول کر کے اپنے اوپر خراج سالانہ تسلیم کرے۔ اگر وہ اطاعت پر آمادہ ہو اور خراج گزاری کا وعدہ کرے تو اس سے تعرض نہ کرو اور واپس چلے آؤ۔ اگر سرکشی پر آمادہ ہو تو اس کو سزا دو۔

یہ فوج جب دیوگیر کے قریب پہنچی تو رام دیو نے استقبال کیا۔ ملک کافور کی خدمت میں حاضر ہو کر آداب و مجرا بجالایا۔ شاہی لشکر کو اپنا مہمان کیا اور علامات خدمت گزاری میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ ہونے دیا۔

جب راجہ لاردیو کی رعونت و سرکشی دیکھ کر لشکر اسلام دیوگیر سے ملک تلنگانہ کی جانب روانہ ہوا تو رام دیو کئی منزل تک بطورِ مشایعت لشکر کے ہمراہ آیا اور ملک کافور سے اجازت لے کر واپس ہوا۔ تلنگانہ کی حدود میں داخل ہوتے ہی لشکر اسلام نے قلعوں اور شہروں کو فتح کرنا شروع کر دیا۔ اردگرد کے کئی راجہ اور چھوٹے چھوٹے رئیس لاردیو کے پاس ورنگل میں جمع ہو گئے۔ ورنگل کے قریب سب نے شکست کھائی اور لاردیو مع اپنے رفیقوں کے قلعہ ورنگل میں محصور ہو گیا۔ کئی راجہ اور رئیس گرفتار ہوئے۔ اور بہت سے آدمی لڑائی میں مارے

گئے۔آخر محاصرہ کی شدت اور اپنی کمزوری کے احساس پر لار دیو نے ملک کافور کی خدمت میں عاجزانہ درخواست بھیجی اور اطاعت وفرمانبرداری کا اقرار کر کے تین سو ہاتھی، سات ہزار گھوڑے، بہت سا سونا چاندی، قیمتی تحفے بطور نذرانہ پیش کئے۔اور ایک معقول زر خراج اپنے اوپر تسلیم کر کے بلاعذر وحیلہ سال بہ سال بھیجتے رہنے کا وعدہ کیا۔ملک کافور یہ تمام سامان لے کر دہلی کی طرف واپس ہوا اور تمام سامان غنیمت بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔اس طرح ملک دکن کا ایک بڑا حصہ سلطنت اسلامیہ میں شامل ہو گیا۔

میسور و مالابار وغیرہ کی فتح

اس وقت میسور، مالابار، وغیرہ یعنی دکن کا انتہائی جنوبی حصہ باقی رہ گیا تھا لہٰذا سلطان علاؤالدین نے مناسب سمجھا کہ اس حصہ کو بھی فتح کر کے آئندہ خطرات کا بالکل خاتمہ کر دیا جائے۔اور ہندوؤں کی طرف سے مطمئن ہو کر مغلوں کے مقبوضہ علاقہ پر شمال کی جانب فوجیں بھیجنے کی سہولت بہم پہنچائی جائے۔

چنانچہ ۱۰ے۷ھ میں تیسری مرتبہ پھر ملک کافور اور خواجہ حاجی کو دکن کی جانب فوج دے کر روانہ کیا اس مرتبہ بھی لشکر شاہی دیوگیر ہوتا ہوا دکن کی جانب گیا۔اب دیوگیر کے راجہ رام دیو کا انتقال ہو چکا تھا۔اس کی جگہ اس کے بیٹے کو سند حکومت دیدی گئی تھی اس لشکر نے اول کنارہ کا علاقہ فتح کیا۔پھر کرناٹک اور ملیبار وغیرہ کو وہاں کے راجہ بلال دیو سے فتح کر کے راس کماری تک پہنچا۔انتہائی جنوبی راس پر جس کو سیت بندر رامیشور کہتے ہیں ایک چھوٹی سی مسجد پختہ گچ وسنگ سے بنوائی جو تاریخ فرشتہ کی تصنیف کے زمانہ تک موجود تھی۔

فرشتہ لکھتا ہے:

> مسجدے مختصر از گچ وسنگ مرتب ساختہ بانگ اذان محمدی صلی اللہ علیہ وسلم درآنجا گفتہ خطبہ بادشاہ علاؤالدین خواندند وتا ایں زماں کہ خارعنبریں شمامہ درتحریر ایں وقائع ست۔آن مسجد درنواحی سیت بندر رامیشور موجود و مسجد علائی مشہور است۔''

ساحل کارومنڈل کی فتح

راس کماری سے لشکر اسلام ساحل کارومنڈل کی طرف متوجہ ہوا اور اس طرف کے بھی تمام راجاؤں سے خراج وصول کرتا اور اقرار اطاعت لیتا ہوا ۷۱۱ھ میں دہلی پہنچا۔ اس طرح کوہ ہمالیہ سے راس کماری تک اور خلیج کنبات سے خلیج بنگال تک تمام براعظم ہند اسلامی شہنشاہی میں شامل ہو گیا۔

۷۱۰ھ میں جب شاہی لشکر دیوگیر ہوتا ہوا ملک کنارہ میں داخل ہوا تھا تو رام دیو کے بیٹے سے جو چند ہی روز پیشتر اپنے باپ کا قائم مقام ہوا تھا کچھ خودسری کے آثار محسوس ہوئے تھے۔ ۷۱۲ھ کے ابتداء میں اس کی نسبت شکایات پہنچیں۔ اور ساتھ ہی تلنگانہ کے راجہ لاردیو کی عرضی پہنچی کہ میں نے نائب ملک (کافور) کے ذریعہ خراج گزاری اور فرمانبرداری کا اقرار نامہ لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں بھجوادیا ہے۔ میرے پاس تین سال کا خراج جمع ہو گیا ہے یا تو سلطان مجھ کو اجازت دیں کہ میں وہ خراج دیوگیر بھجوادوں تاکہ وہاں سے خراج سالانہ کے ہمراہ خزانہ شاہی میں پہنچ جائے یا سلطان کسی سردار کو یہاں بھیج کر براہ راست زر خراج منگوالیں۔

اس عرضی اور دیوگیر کے راجہ کی بے راہ روی کی خبر پہنچنے پر سلطان علاؤالدین نے سوچا کہ دکن کے علاقوں کی نگرانی اور وہاں امن و امان قائم رکھنے کے لیے ایک وائسرائے یا نائب السلطنت کا دکن میں موجود رہنا از بس ضروری ہے۔

گلبرگہ، مدکل، رائچور کا براہ راست سلطنتِ دہلی سے الحاق

اس لیے اس نے چوتھی مرتبہ پھر ۷۱۲ھ میں ملک کافور کو حکم دے کر بھیجا کہ تم مقام ایلچ پور میں جو براہ راست شاہی مقبوضہ اور اب تک ریاست دیوگیر کے زیر اہتمام رہا ہے پہنچ کر قیام کرو۔ لاردیو اور دکن کے راجاؤں سے خراج وصول کر کے بھیجنا اور وہاں کے انتظام کو درست رکھنا تمہارا کام ہو گا۔ اور اگر رام دیو کا بیٹا راہ راست سے منحرف ہو تو اس کو قتل یا

گرفتار کر کے تم دیوگیر کو اپنی قیام گاہ بناؤ اور اس علاقہ میں اپنی طرف سے امراء اور صوبہ دار مقرر کرو۔

ملک کافور نے رام دیو کے بیٹے کو جو واقعی منحرف ہو چکا تھا جاتے ہی قتل کیا اور تمام علاقہ مرہٹ میں گلبرگہ، مدکل، رائچور تک اپنے اہلکار مقرر کر دیئے۔ راجاؤں سے خراج وصول کر کے دہلی بھیجا اور ملک دکن میں ہر جگہ شاہی تھانے قائم کر دیئے اور اس کے بعد کسی راجہ کی یہ ہمت نہ رہی کہ سرکشی و خود مختاری کا خیال بھی دل میں لا سکے۔

دکن کا ملک اگرچہ بخشی فوج خواجہ حاجی کی اعلیٰ قابلیت سے فتح ہوا مگر سلطان علاؤ الدین نے اپنی منشاء کو پورا کیا اور مرہٹ و گونڈوانہ سے راس کماری تک کا پورا ملک کافور کی سرداری میں فتح کرایا اور آخر میں اسی کو دکن کا وائسرائے بھی بنا دیا۔ (ص ۳۲۰)

سلطان علاؤ الدین خلجی کا تنہا یہ کارنامہ کچھ کم نہیں کہ اس نے ۶۹۴ھ سے ۷۱۰ھ تک سولہ برس کی مسلسل کوششوں سے پورے ممالک دکن اور جنوبی ہند جس کو آج کل صوبہ مدراس کہا جاتا ہے فتح کر کے سلطنت اسلامی میں شامل کر دیئے۔ اس کے ساتھ جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ اسی درمیان میں اس کو تاتاری مغلوں کے پیہم اور نہایت سخت حملوں کی بھی کامیاب مدافعت کرنا پڑی جس سے بالآخر تاتاری مغل مرعوب و مغلوب اور ہندوستان سے مایوس ہو گئے تو اس تاجدار کی عظمت و شوکت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

۶۹۸ھ میں جب کہ سلطان کی توجہ فتح دکن کی طرف مصروف تھی، مغلوں نے خراسان میں ایک زبردست فوج فراہم کی اور ہندوستان پر نہایت سخت حملہ کیا۔ قتلق یا قتلغ خواجہ نامی مغلوں کا ایک شہزادہ مغلوں کا دو لاکھ لشکر جرار لے کر ہندوستان میں داخل ہوا اور راستہ میں لوٹ مار کئے بغیر سیدھا دہلی تک چلا آیا۔ دو لاکھ مغلوں کا یکایک دہلی کی فصیل کے نیچے تک پہنچ جانا کوئی معمولی حادثہ نہ تھا۔ خوف کے مارے آس پاس کے دیہات و قصبات کے لوگ بھی آ کر دہلی میں جمع ہو گئے اور تمام کوچہ و بازار آدمیوں سے پر نظر آنے لگے۔ سامان خورد و نوش بھی کافی نہ تھا۔ اس محاصرہ کو تا دیر برداشت نہیں کیا جا سکتا تھا۔ سلطان علاؤ الدین

نے لڑنے کے قابل آدمیوں کو منتخب کیا تو تین لاکھ آدمی شہر کے اندر موجود ملے۔ اس تین لاکھ کے لشکر کو لے کر وہ شہر سے باہر نکلا اور دشمن سے نبرد آزما ہوا۔ ہندوستان میں اس وقت تک اتنی بڑی دو فوجوں کا ایک میدان میں کبھی مقابلہ نہ ہوا تھا۔ سخت معرکہ آرائی کے بعد مغلوں کو شکست ہوئی۔ علاؤالدین کا بہادر سپہ سالار ظفر خاں اس لڑائی میں اپنی شجاعت کے انتہائی جوہر دکھلا کر شہید ہو گیا۔ مغل جس تیزی و سرعت سے آئے تھے اسی سرعت کے ساتھ شکست خوردہ ہو کر واپس چلے گئے۔ اس فتح عظیم کے بعد علاؤالدین نے اپنے لیے سکندر ثانی کا خطاب تجویز کیا اور یہی خطاب سکوں اور خطبوں میں جاری ہوا۔ (آئینہ ۳۰۹)

۷۰۳ھ میں پھر طرغی بیگ مغل نے ایک لاکھ بیس ہزار فوج کے ساتھ سلطنت دہلی پر حملہ کیا مگر سلطان کی مدافعت سے ناکام واپس ہوا۔ (ص ۳۰۲)

پھر ۷۰۴ھ میں علی بیگ اور ترپال خواجہ مغل نے کوہ ہمالیہ کے اندر سے ہو کر اس راستہ سے جس سے سلطان محمود غزنوی اپنی فوج لے کر قنوج پر حملہ آور ہوا تھا، ہندوستان پر حملہ کیا اور ایکا یک صوبہ روہیلکھنڈ میں پہاڑوں سے نکل کر دامن کوہ سے امروہہ تک کے علاقہ کو تاخت و تاراج کر ڈالا۔ ان مغل سرداروں کے ساتھ چالیس ہزار فوج آئی تھی۔ سلطان نے غازی ملک تغلق کو ان مغلوں کے مقابلہ پر بھیجا۔ غازی ملک تغلق نے پہنچ کر امروہہ میں ان کا مقابلہ کیا۔ اس لڑائی میں بھی مغلوں کو شکست ہوئی۔ علی بیگ اور ترپال خواجہ دونوں سردار گرفتار ہوئے اور بہت سے مغل میدان میں مارے گئے۔ صرف چند اشخاص بچ کر ترکستان و خراسان میں بہزار خرابی پہنچے۔ (ص ۳۱۳)

پھر ۷۰۵ھ میں گنگ نامی مغل سردار نے ساٹھ ہزار سواروں کے ساتھ علی بیگ اور خواجہ ترپال کا انتقام لینے کے لیے حملہ کیا۔ غازی ملک تغلق نے ان کا مقابلہ دریائے سندھ کے کنارے کیا۔ ساٹھ ہزار مغلوں میں سے صرف چار ہزار بچ کر فرار ہو سکے باقی سب مارے گئے، ان کا سردار گنگ گرفتار کر کے دہلی زندہ بھیجا گیا۔ یہاں اس کو ہاتھی کے پاؤں سے کچلوایا گیا۔ (ص ۳۱۵)

اس کے بعد اقبال مند ثانی مغل سردار نے حملہ کیا۔ اس کو بھی غازی ملک تغلق نے جو دیپالپور میں مغلوں کے حملے روکنے ہی کے لیے مقرر تھے شکست دے کر قتل کیا اور بہت سے مغلوں کو گرفتار کر کے دہلی بھیجا۔ ان پیہم شکستوں سے مغل بہت مرعوب ہو گئے۔ اور غازی ملک تغلق کی دھاک ان کے دلوں میں بیٹھ گئی اور عرصہء دراز تک ان کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ (ص ۳۱۵)

سلطان علاؤالدین خلجیؒ کا حسنِ انتظام

شراب، رشوت، جھوٹ فریب کا استیصال، زمینوں کا نیا انتظام

سلطان علاؤالدین جب قلعہ رنتھمبور فتح کر کے دہلی پہنچا تو پہلے خود شراب خوری سے توبہ کی اور پھر شہر دہلی اور پوری قلمرو ہند میں بذریعہ منادی اعلان کرادیا کہ کوئی شخص شراب استعمال نہ کرے۔ چنانچہ اس نے اپنی حدود حکومت سے نہایت کامیابی کے ساتھ شراب خوری کا نام ونشان مٹادیا۔

خفیہ پولیس کا محکمہ قائم کیا۔ تحصیلدار و پٹواری مقرر کر کے زمینداروں سے نقد خراج وصول کرنے کا ضابطہ موقوف کردیا اور بٹائی کا قاعدہ جاری کردیا اور غالباً لفظ پٹواری اسی بٹوارہ سے ماخوذ ہے۔ یعنی خراج مؤظف (مقررہ رقم) کے بجائے خراج مقاسمہ یعنی (بٹائی) مقرر کردیا۔

(ف) عام مؤرخین نے اس نئے قانون کو بھی علاؤالدین خلجی کے حسنِ انتظام میں شمار کیا ہے، لیکن حق یہ ہے کہ شرعاً اس کو یہ حق حاصل نہ تھا کہ خراج مؤظف کو خراج مقاسمہ (بٹائی) کی صورت میں تبدیل کرے کیونکہ یہ نقضِ عہد ہے جو حرام ہے۔ ردالمحتار کتاب الخراج میں بحوالہ کافی نقل کیا ہے۔ **وفی الکافی لیس للامام ان یحول الخراج المؤظف الیٰ خراج المقاسة اقول و کذلک عکسه فیما یظهر من تعلیله لانه قال لان فیه نقض العهد وهو حرام.**

البتہ یہ بات اس کے حسن انتظام کی تھی کہ اس نے تمام محکموں میں کڑی نگرانی شروع کی کہ کسی کی مجال نہ تھی جو کاشتکار سے ایک حبہ زیادہ وصول کر سکے۔ رشوت قطعاً موقوف ہوگئی۔ جھوٹ بولنے کی سزا سخت مقرر کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی حدود حکومت سے کذب و دروغ کا نام ونشان مٹ گیا۔ غارت گری اور لوٹ مار کا استیصال پورے طور پر کردیا۔ بہار سے پنجاب و سندھ تک تمام سڑکیں اور راستے اس طرح محفوظ تھے کہ ایک عورت سونا اچھالتی

چلی جائے تو کسی کی یہ مجال نہیں کہ اس کی طرف نظر بھر کر دیکھ لے۔ ملک میں ضروریات زندگی کی اس قدر ارزانی ہوگئی کہ گندم ساڑھے سات جیتل کے ایک من آتے تھے۔ جیتل تانبے کا سکہ تھا۔ ایک روپیہ کے چالیس جیتل ہوتے تھے۔ یعنی فی روپیہ پونے چھ من گندم آتے تھے۔

تمام ملک میں کھیتی ہونے لگی اور زمین کا کوئی قطعہ بنجر باقی نہ رہا یہ سب انتظامات صرف دو سال کے عرصہ میں پایہ تکمیل کو پہنچ گئے۔ اس حیرت انگیز کامیابی کا سبب صرف یہ تھا کہ دہلی میں ذی علم تجربہ کار لوگوں کی کثرت تھی۔ اور تخت نشین ہونے کے بعد علاؤ الدین اس زمانہ کے ذی علم اور باخدا لوگوں سے مشورہ لینے میں تامل نہ کرتا تھا۔ اور ہر اہم کام میں علماء سے مشورہ کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ باوجود خود جاہل ہونے کے اس کے عہد میں کارہائے نمایاں وجود میں آئے۔

مقدموں (نمبرداروں) اور رشوت خوار اہلکاروں کا طبقہ درمیان سے بالکل مرتفع ہوگیا تھا۔ اور باوجود اس کے کہ رعایا سے زرلگان یا کسی قسم کا ٹیکس وصول نہیں کیا تھا۔ سلطانی لشکر کی تعداد پونے پانچ لاکھ سواروں پر مشتمل تھی۔

اس جاہل بادشاہ کے عہد حکومت میں علماء اور ہر علم وفن کے باکمال لوگوں کی اس قدر کثرت تھی کہ کسی دوسرے زمانہ میں نظر نہیں آئی۔ (آئینہ حقیقت نما ص ۳۱۱)

خاندان خلجی کا افسوسناک خاتمہ ایک ہندو غلام زادہ کے ہاتھ پر

ہماری اصل بحث کا تعلق فتوح الہند اور اس کی کیفیت متعلقہ اراضی سے ہے اور یہ سلسلہ ۳۸۷ھ میں سلطان محمود غزنوی سے شروع ہو کر ۷۰۱ھ سلطان علاؤ الدین خلجی پر مکمل ہو چکا۔ مابعد کی تاریخ سے اصل بحث نہیں۔ لیکن خاندان خلجی جو فتوح الہند کا متمم ہے اس کی آخری بربادی بھی تاریخ عالم کا ایک عبرت خیز سبق ہے اس لیے اس کا بھی اجمالی نقشہ پیش کر دینا مناسب معلوم ہوا۔ اس کے بعد ہم اصل مسئلہ اراضی ہند کے متعلق فتوح الہند سے حاصل شدہ نتائج پیش کریں گے۔ واللہ الموفق والمعین.

۷۱۲ھ میں سلطان علاؤ الدین خلجی بیمار ہوا۔ اس کی بیوی اور بچے تیمارداری کا کچھ خیال نہ کرتے تھے اس لیے ان سے ناراض تھا۔ علاؤ الدین کے خاندان کے لوگ ملک کافور کے اس اثر و اقتدار کو پسند نہ کرتے تھے اور دوسرے سردار بھی اس کو ایک نامرد غلام سمجھ کر بنظر حقارت دیکھتے تھے۔ مگر سلطان کو اس کی عزت بڑھانے کی ضد تھی۔ الغ خاں ثانی حاکمِ گجرات اور ولی عہد سلطنت خضر خاں اور بادشاہ کے دوسرے بیٹے سب ملک کافور سے متنفر تھے۔ مگر بادشاہ خوشامد پسند طبیعت رکھتا تھا۔ اس چالاک غلام نے خوب خوشامد کر کے بادشاہ کا دل ہاتھ میں لے لیا اور سب سرداروں اور بیٹوں کی طرف سے بدگمان کر دیا۔ آخر ۷۱۵ھ جب سلطان کی بیماری بڑھی تو ملک کافور کو سب سے زیادہ وفادار ہمدرد سمجھ کر دکن سے بلایا۔ اس نے رات دن بادشاہ کی خدمت میں رہ کر اور بھی زیادہ بادشاہ کے قلب و دماغ پر قبضہ کر لیا اور بیٹوں اور خاندانی سرداروں سے اتنا بدگمان و متنفر کر دیا کہ بادشاہ نے الغ خاں حاکم گجرات کے قتل کرنے اور خضر خاں و شادی خاں دونوں شہزادوں کو قلعہ گوالیار میں قید کر دینے کا حکم دے دیا۔ ملک کافور نے دونوں شہزادوں کو گوالیار بھیج کر قید کرا دیا اور الغ خاں کو قتل کرا دیا۔ اور اس کے بعد اس کے بھائی کو بھی قتل کرا دیا۔ ۶ رشوال ۷۱۶ھ کو رات کے وقت سلطان علاؤ الدین نے وفات پائی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ملک کافور نے بادشاہ کو زہر دے کر مار ڈالا۔

ادھر ملک کافور نے پہلے ہی یہ انتظام کر لیا تھا کہ ایک دستاویز لکھ کر سلطان کی مہر اس پر لگوائی تھی جس میں لکھا تھا کہ میں نے خضر خاں کو ولی عہد سے معزول کر دیا۔ میرے بعد میرا سب سے چھوٹا بیٹا شہاب الدین تخت نشین کیا جائے۔ شہاب الدین کی عمر اس وقت صرف پانچ سال تھی۔ اور ملک کافور نے پہلے ہی وزارت عظمیٰ کا عہدہ حاصل کر لیا تھا۔ اس نے ۷ رشوال کو امراء سلطنت کے ایک اجتماع میں سلطان کا وصیت نامہ سنایا اور چھوٹے بیٹے کو تخت نشین کر کے روزانہ شہاب الدین تھوڑی دیر کے لیے تخت پر لا کر بٹھاتا اور پھر اس کی ماں کے پاس محل میں بھجوا دیتا اور خود احکام و فرامین جاری کرتا۔ اس حیلہ سے ملک کافور پورے

براعظم ہندوستان کا بادشاہ بن گیا۔

اس وقت موقع پا کر اس نے قلعہ گوالیار میں اپنے معتمدوں کو بھیج کر خضر خاں و شادی خاں دونوں شہزادوں کی آنکھیں نکلوائیں۔ خواجہ سراؤں اور ہندوؤں کا اپنا صاحب و مشیر بنایا۔ انہی لوگوں کو بڑے بڑے عہدے دے کر خاندان شاہی کے تمام افراد کو یکے بعد دیگرے قتل کرانا شروع کیا۔ خاندان خلجی میں صرف ایک شہزادہ مبارک خاں باقی رہ گیا تھا۔ اس کو بھی ملک کافور نے قید کر دیا اور قتل کا ارادہ رکھتا تھا مگر اس کے ہاتھوں اس کی موت نہ تھی۔ دو شخص جن کو اس کے قتل پر مامور کیا تھا ان کو شہزادہ پر رحم آ گیا اور اس کو مطلع کر دیا۔ اور تینوں نے مل کر جب ملک کافور چوسر کھیلنے میں مشغول تھا اس پر حملہ کر کے قتل کر دیا۔ علاؤ الدین کی وفات سے صرف ۳۵ دن بعد ملک کافور بھی ختم ہوئے۔ شہزادہ مبارک خاں دو مہینہ تک حسب سابق اپنے چھوٹے بھائی پنج سالہ شہاب الدین کی وزارت و نیابت میں کام کرتا رہا۔ آخر کار امراء سلطنت کے مشورہ سے یہ طے ہوا کہ مبارک خاں خود تختِ سلطنت پر بیٹھے۔

مبارک شاہ خلجی تخت نشین ہوا تو اس نے بھی وہی حرکت کی کہ اپنے پنج سالہ بھائی شہاب الدین بے گناہ کو بھی اندھا کر کے اپنے دونوں بھائیوں خضر خاں اور شادی خاں کے پاس قلعہ گوالیار میں بھیج دیا۔

اور جس طرح علاؤ الدین خلجی نے اپنے خسرو چچا جلال الدین کو ظلماً قتل کیا اور اس کے بیٹوں کو اندھا کرایا تھا۔ پھر قدرت کے مخفی نظام نے اسی کے ہاتھوں ایک ایسے شخص (ملک کافور) کی پرورش کرائی جس نے جلال الدین کا بدلہ ہو بہو اس سے اور اس کے بیٹوں سے لے لیا۔ اسی طرح اب مبارک شاہ نے معصوم بچہ شہاب الدین پر ظلم کیا تو اس کی سزا کا بھی قدرت نے یہیں سے انتظام شروع کر دیا کہ گجرات کا ایک ہندو بچہ جس کو سلطان علاؤ الدین کے ایک سردار ملک شادی خاں نے پرورش کر کے اس کا نام حسن رکھا تھا۔ اس نے سلطان مبارک شاہ خلجی کی مصاحبت میں جگہ پائی اور سلطان نے اس

کوخسرو خاں کا خطاب دیا۔ خسرو خاں کا ایک اور بھائی بھی تھا حسام الدین نامی، بادشاہ نے ان دونوں بھائیوں پر خصوصی عنایات مبذول فرمائیں۔ اس کے بعد عہد علائی کے اکثر آئین منسوخ کر دیئے اور لہوولعب میں وقت گزارنے لگا۔ یہ دیکھ کر دکن کا راجہ ہرپال دیو باغی ہوگیا۔ سلطان خود فوج لے کر دیوگیر کی جانب روانہ ہوا دہلی میں مشاہین نامی ایک غلام کو وفاء الملک کا خطاب دے کر اپنا قائم مقام بنادیا۔ دیوگیر پہنچ کر باغی راجہ کو گرفتار کر کے اور بہت سے لوگوں کو قتل کر کے ریاست پر قبضہ کیا۔ اور خسرو خاں مذکور کو وزارت کا عہدہ دے کر دکن کا انتظام اسکے سپرد کیا اور ملک کافور کی تمام املاک کا اس کو مالک قرار دے دیا اور ملک دکن کے تمام ماتحت راجاؤں کی نگرانی اور ان سے خراج وصول کرنیکا انتظام ملک کافور کی طرح اس کے سپرد کر دیا۔ اور ظفر خاں حاکمِ گجرات کو بلا جرم محض خسرو خاں اور اس کے ہم قوموں کی شکایت پر قتل کرا کر گجرات کی حکومت خسرو خاں کے بھائی حسام الدین کے سپرد کر دی۔ اس طرح گجرات و دکن پر دونوں ہندوزادوں کو متصرف و فرمانروا بنا کر دہلی پہنچا۔

اس سفلہ پرستی سے امراء میں بڑی بددلی پیدا ہوگئی اور مبارک شاہ کے قتل کی سازشیں ہونے لگیں۔ ادھر اس نے ظلم پر ظلم یہ کیا کہ اس کے تین بھائی جو قلعہ گوالیار میں اندھے کر کے قید کئے ہوئے تھے اپنے آدمی بھیج کر تینوں کو قتل کرادیا۔

ادھر گجرات میں حسام الدین نے اپنی قوم کے ہندوؤں کو اپنے گرد فراہم کر کے بڑے بڑے عہدے عطا کئے اور اس خیال میں مبتلا ہوا کہ خوب مضبوط ہوکر خود مختاری اور بغاوت کا اعلان کرے۔

ادھر خسرو خاں نے دکن میں گونڈوانہ کے راجہ سے بلا کسی وجہ اور قصور کے ایک سو ہاتھی چھین لئے۔ پھر میسور کے راجہ سے بیس ہاتھی اور بہت سا خزانہ حاصل کیا۔ ہندوؤں کو فوج میں بھرتی کر کے بغاوت و خود مختاری کے منصوبے گانٹھنے لگا۔ ضیاء برنی لکھتا ہے:

''شبہا مجلس خلوت ساخت و بہ ابنائے ہندوئے خود و باچند باغا کی از یاراں

ملک نائب کہ محرم خود گردانیدہ بود اندیشہ بلغائی (بغاوت) میکرد۔"

ادھر گجرات و دکن میں حسام الدین و خسرو خاں ہندوؤں کی سلطنت دوبارہ قائم کرنے کی تجویز کرر ہے تھے ادھر دہلی میں سلطان مبارک شاہ نے نماز روزہ ترک کر کے رات دن لہوولہب کا مشغلہ بنالیا تھا۔ حسام الدین نے گجرات سے ایک مسخرہ کو سلطان کی خدمت میں بھیج دیا تھا کہ وہ اس نوجوان بادشاہ کو لعوولہب میں لگائے رکھے۔ ضیاء برنی اسی حسام الدین کی نسبت لکھتا ہے:

آں ولد الزنا مرتد گشت و در گجرات خویشاوند و اقربائے خود را جمع کردہ جملہ
برادران نام گرفتہ گجرات را بر خود گرد آورد و بغی ورزید و فتنہ انگیخت"

چونکہ گجرات میں طاقتور امراء سلطانی موجود تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ حسام الدین نے بغاوت کی پوری تیاری کر لی تو وہ آپس میں متفق ہو کر حسام الدین کو ہاتھ پاؤں ہلانے کا موقع دیئے بغیر گرفتار کر کے بادشاہ کے پاس دہلی بھیجنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان امراء کو توقع تھی کہ بادشاہ ہمارے اس حسنِ عمل سے خوش ہوگا۔ لیکن سلطان بجائے خوش ہونے کے ناراض ہوا اور ان کا مرتبہ گھٹا دیا اور حسام الدین کو عزت کے ساتھ اپنے مصاحبین میں داخل کر کے گجرات کی حکومت پر وحید الزمان قریشی کو روانہ کیا۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ گجرات میں ہندوؤں کی بغاوت کا خطرہ جاتا رہا۔ مگر مسلمان امراء میں بددلی ترقی کرتی رہی۔ دوسری طرف خسرو خاں نے دکن میں اپنی خودمختاری کا منصوبہ مکمل کر کے بندرگاہوں کے مسلمان سوداگروں کا مال چھیننے اور قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ اور شاہی سردار جو اس کے ہمراہ تھے ان کو قتل کرنے کی سازش شروع کر دی۔ ان حالات کا علم چندیری کے عاقل ملک تیمور اور ملک گل افغان اور ملک تلیغہ حاکم گوا کو معلوم ہوا جو بطور کمکی مامور تھے۔ انہوں نے خسرو خاں کو لکھا کہ ہم کو تمہاری نیت درست معلوم نہیں ہوتی اور ہمارے پاس ایسی شہادتیں موجود ہیں جن کی تردید نہیں کی جا سکتی۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ تم معبرؔ و ملیبار کی جانب سے فوراً دیوگیر پہنچو اور تمام ہاتھی اور خزانہ جو تمہارے پاس جمع ہے اس کو دہلی روانہ

کردو۔ خسرو خاں نے اس میں لیت ولعل کیا مگر ان ہر سہ امراء نے بڑی مستعدی اور ہوشیاری سے خسرو خاں کو اس پر مجبور کر دیا کہ وہ ہاتھ پاؤں نکالنے سے پہلے دیوگیر آجائے۔ ادھر بادشاہ کو اطلاع دی کہ ہم نے خسرو خاں کے فاسد ارادوں سے مطلع ہو کر اس کو مجبور کر کے دیوگیر میں بٹھا دیا ہے۔

شاہی فرمان پہنچا کہ خسرو خاں کو جس قدر جلد ممکن ہو بحفاظت ہمارے پاس پہنچادو۔ خسرو خاں نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر شریف اور نمک حلال سرداروں کی شکایتیں کیں اور کہا کہ انہوں نے محض حسد اور رشک کی وجہ سے مجھے بغاوت کے جرم میں متہم کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہر سہ امراء بھی دہلی پہنچے اور بادشاہ کو پورے حالات سے واقف کیا۔ ان کو امید تھی کہ ہماری اس عظیم الشان خدمت کا ہمیں صلہ ملے گا اور مرتبہ بڑھایا جائے گا۔ مگر بادشاہ خسرو خاں کے فریب کا شکار ہو گیا اور ان تینوں امراء کو مجرم قرار دیا اور ان کو معزول کر کے قید کر دیا۔

اس طرز عمل کا یہ اثر لازمی تھا کہ اب کسی کو خسرو خاں اور اس کے بھائی کے خلاف کوئی لفظ زبان تک لانے کی جرات نہ رہی۔ خسرو خاں کی جگہ دکن میں دوسرے سردار مقرر کر دیئے گئے اور خسرو خاں بادشاہ کی خدمت میں وزیر اعظم اور مدار المہام کی حیثیت سے کاروبار سلطنت انجام دینے لگا۔

اب خسرو خاں کو محسوس ہوا کہ سلطنت اسلامیہ کو برباد کرنے کا موقع مجھے دہلی میں رہ کر بہ نسبت دکن یا گجرات کے زیادہ آسانی سے حاصل ہے۔ چنانچہ اس نے سلطان کو اپنے ہاتھ میں لینے کی بیش از بیش کوششیں کیں۔ ملک کافور کا مکان اور جائداد اور سامان سب اس کو پہلے ہی مل چکا تھا۔ اور کافور کے ہندو مشیر ہوا خواہ سب اس کے متوسلین میں پہلے ہی داخل ہو چکے تھے۔ ملک کافور اسی کی قوم اور اسی کے وطن کا آدمی تھا۔ روزانہ ملک کافور کے مکان میں جواب خسرو خاں کا مکان تھا رات کے وقت ہندو جمع ہوتے اور مشورے کرتے۔ خسرو خاں نے بڑی چالا کی سے سلطنت کے حقیقی خیر خواہ

سرداروں کو ایک ایک کر کے دہلی سے جدا کر دیا۔ کسی کو قید کسی کو قتل کرایا۔ کسی کو دور دراز کے صوبوں میں بھیج دیا۔ پرانے زمانے کے وہ امیر جن کو کسی نہ کسی وجہ سے سلطان مبارک شاہ سے عناد تھا ان کو دہلی میں بلا کر عہدے سپرد کر دیئے۔ اور ان لوگوں پر احسانات وانعامات کر کے ان کو اپنا ہمدرد و ہمراز بنالیا۔

اس خفیہ انتظام کے بعد خسرو خاں نے ایک روز بادشاہ سے عرض کیا کہ مجھ پر حضور کی بے انتہا مہربانیاں مبذول ہیں اور اسی وجہ سے میں ایک ادنیٰ درجہ کا آدمی ترقی کر کے وزارت عظمیٰ پر فائز ہوا۔ تاہم قدیمی امراء مجھ کو خاطر میں نہیں لاتے جس طرح ان امراء کے عزیز واقارب اور رشتہ داروں ہم قوموں کی جمعیتیں شہر میں موجود ہیں۔ میرے رشتہ داروں ہم قوموں کی کوئی جمعیت نہیں ہے۔ اگر بادشاہ اجازت مرحمت فرمائیں تو میں بھی اپنے رشتہ داروں کو شاہی انعام واکرام اور منصب و جاگیر کی توقع دلا کر اپنے وطن سے بلواؤں اور اس طرح میرا اثر واقتدار بھی میرے عہدہ کے وافق شہر میں قائم ہو جائے۔

بادشاہ نے خسرو خاں کی اس درخواست کو بے تامل خوشی کے ساتھ منظور کر لیا اور اسنے اپنے چچا رندھول اور جاہر دیو وغیرہ کو گجرات بھیج کر بیس ہزار گجراتیوں کو دہلی بلوا کر اپنی خاص فوج میں بھرتی کیا اور اسی قدر نواح دہلی کے ہندوؤں کو اپنی جمعیت میں چالیس ہزار کا لشکر نہایت خموشی کے ساتھ مرتب کیا۔

اس واقعہ کو ضیاء برنی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے اور فرشتہ لکھتا ہے کہ:

> ''سلطان التماس او را مبذول داشتہ رخصت طلب ارزانی داشت خسرو خاں بایں بہانہ اکثر ہندوہائے گجرات کہ اوقات گزران نداشتند بہر گونہ تسلی نمودہ قریب بست ہزار گجراتی نزد خود جمع ساختہ ہر چہ داشت صرف ایشاں کردہ بااسپ و براق ایشاں را آراستہ ساخت وقوت ومکنت تمام پیدا کردہ از گجراتیاں وغیرہ چہل ہزار سوار اعوان وانصار نزد او مجتمع گشت۔''

دہلی میں خود مختار اسلامی سلطنت قائم ہونے کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ براعظم ہند کے بادشاہ کی اجازت سے چالیس ہزار ہندو سواروں کی فوج جمع تھی۔

اب دہلی کے بااثر امراء میں صرف ایک قاضی ضیاء الدین ایسا شخص تھا جو سلطان سے آزادانہ گفتگو کر سکتا اور سلطان کا سچا ہمدرد تھا۔ قاضی ضیاء الدین بادشاہ کا استاد اور قاضی خاں کے نام سے مشہور تھا۔ کوشک سلطانی یعنی قصر ہزار ستون کے دروازوں کی حفاظت بھی اس کے سپرد تھی۔ دہلی کے مسلمان ہندوؤں کے اس اقتدار اور قوت و شوکت اور فاسد ارادوں سے مطلع تھے مگر کسی کو یہ جرات نہ تھی کہ سلطان کی خدمت میں خسرو خاں کے خلاف ایک لفظ بھی زبان تک لائے۔

انہی ایام میں سلطان بغرض شکار دہلی سے سرسادہ کی طرف گیا۔ وہاں خسرو خاں اور دوسرے ہندوؤں نے اس کے قتل کا ارادہ کیا مگر خسرو خاں کے بعض ہمدردوں نے مخالفت کی اور کہا کہ یہ کام ہم کو قصر سلطانی میں انجام دینا چاہیے تاکہ دہلی پر قبضہ رہے ورنہ ممکن ہے کہ ہمارے دہلی تک پہنچنے سے پہلے مسلمان سردار مخالفت پر اٹھ کھڑے ہوں۔ سلطان سرسادہ سے دہلی آیا اور قاضی خاں نے شہر کی عام افواہوں سے متاثر ہو کر سلطان کی خدمت میں عرض کیا کہ ہندو فوج کی کثرت خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ میں نے سنا ہے کہ روزانہ خسرو خاں کے مکان میں ہندو جمع ہو کر مشورے کرتے ہیں اور خسرو خاں کا ارادہ ہے کہ سلطان کو قتل کر کے خود بادشاہ بن جائے۔ آپ کم از کم اتنا تو کریں کہ خسرو خاں کی فوج کے بعض گجراتی ہندوؤں کو اپنے پاس تنہائی میں بلا کر ان سے اس معاملہ کی بابت استفسار کریں، ممکن ہے کہ وہ رعب سلطانی میں آکر صحیح واقعات بیان کر دیں۔ اور ان افواہوں کی کوئی اصلیت نکلے تو آپ حفاظت کر سکیں۔ اور نہ نکلے تو خسرو خاں کا مزید اعزاز بڑھانے کا آپ کو ہر وقت اختیار ہے۔

ابھی قاضی خاں اپنی بات ختم کرنے نہ پایا تھا کہ خسرو خاں بھی حاضر ہو گیا۔ سلطان نے قاضی خاں کے سامنے ہی خسرو خاں کو مخاطب کر کے کہا کہ تیری نسبت قاضی خاں ایسا ایسا کہہ رہا ہے یہ سن کر خسرو خاں مکار نے فوراً رونا شروع کر دیا اور رو رو کر کہنے لگا کہ یہ تمام مسلمان سردار اس لیے میرے دشمن ہو گئے ہیں کہ حضور نے مجھ کو سب سے زیادہ بلند مرتبہ

عطا کردیا ہے۔ یہ ضرور مجھ کو حضور کے ہاتھ سے قتل کرا کے رہیں گے اور پھر زار و زار رونا شروع کردیا۔ یہ دیکھ کر بادشاہ کا دل بھر آیا۔ اور اس کو اپنے سینے سے لگا کر کہنے لگا کہ تیری قوم کی نسبت میں کسی کی شکایت کو ہرگز صحیح نہیں سمجھ سکتا۔ یہ رنگ دیکھ کر قاضی صاحب بادشاہ کی حمایت پر افسوس کرتے ہوئے باہر آ گئے اور اب ان کو بھی خسرو خاں یا دوسرے ہندوؤں کی نسبت بادشاہ سے کچھ کہنے کی جرات نہ رہی۔ فرشتہ کہتا ہے:

''بادشاہ را از گریہ او دل بدرد آمدہ او را در کنار گرفت و بوسہ بر رخسارہ اش داد و گفت کہ خاطر جمع دار۔''

اس واقعہ کے اگلے روز خسرو خاں نے زیادہ تامل کرنا مناسب نہ سمجھ کر سلطان کے قتل کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا اور رات کے وقت قصر ہزار ستون کے بالا خانہ پر سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا نیچے دروازوں کی نگرانی اور پہرہ دلوانے کے لیے قاضی خاں موجود تھے۔ قرارداد کے موافق خسرو خاں کا چچا رندھیول مع جاہر دیو، قاضی خاں کے پاس آیا اور پان کا بیڑا قاضی خاں کی خدمت میں پیش کیا۔ قاضی خان رندھول سے بیڑا لینے لگے اور جاہر دیو نے جو رندھول کے ساتھ نہایت چستی سے قاضی خاں کے پہلو میں خنجر گھونپ دیا۔ قاضی خاں فوراً شہید ہوگئے، مسلح ہندوؤں کی ایک جمعیت نے فوراً داخل ہوکر پہرہ والوں کو قتل کرنا شروع کردیا۔

جب شور و غوغا صحن میں بلند ہوا تو سلطان نے خسرو خاں سے پوچھا، یہ کیسا شور ہے، خسرو خاں فوراً اٹھ کر لب بام آیا اور تھوڑی دیر تامل کر کے سلطان کے پاس واپس گیا اور کہا کہ سلطانی اصطبل کے چند گھوڑے کھل گئے، وہ بھاگے پھر رہے ہیں اور لوگ ان کو پکڑنے کی کوشش کررہے ہیں اس سے شور مچ رہا ہے۔ سلطان یہ سن کر مطمئن ہوگیا اور خسرو خاں سے باتیں کرنے میں مصروف ہوگیا۔ اسی وقت جاہر دیو اور دوسرے ہندو جو اس کام پر مامور تھے بالا خانہ پر چڑھنے لگے۔ زینہ کے دروازے پر ابراہیم اور اسحٰق نامی پہرے دار موجود تھے، وہ مانع ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دونوں شہید ہوگئے۔ اور قاتلوں کی یہ جماعت

اوپر چڑھ آئی۔ ابراہیم اور اسحٰق کی مزاحمت کرنے اور قتل ہونے کا شور چونکہ قریب ہی تھا اس لیے سلطان کو کچھ شک ہوا، قاتلوں کی اس جماعت کو بے محابا شمشیر بدست آتے ہوئے دیکھ کر سلطان فوراً اٹھا اور محل سرائے کی طرف بھاگنے لگا۔ خسرو خاں نے سمجھا کہ سلطان محل سرائے میں داخل ہو گیا تو اس کو پکڑنے اور قتل کرنے میں دقت ہوگی تو وہ سلطان کے پیچھے بھاگا اور محل سرائے کے دروازہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی سلطان کو جالپٹا۔ سلطان اپنے سر پر لمبے لمبے بال رکھتا تھا۔ خسرو خاں نے بال پکڑ لئے۔ مگر سلطان طاقتور تھا فوراً خسرو خاں کو زمین پر پٹک دیا مگر خسرو خاں نے سلطان کے بال نہ چھوڑے۔ خسرو خاں نیچے پڑا تھا سلطان اس کے اوپر تھا۔ اسی حالت میں جاہر دیو پہنچ گیا اور دونوں کو گتھم گتھا دیکھ کر رات کی تاریکی کے سبب متامل ہوا کہ کہیں میرے ہاتھ سے خسرو خاں زخمی نہ ہو جاوے۔ خسرو خاں نے پکارا کہ میں نیچے پڑا ہوں میرے اوپر سلطان ہے جلدی اپنا کام کرو۔ ورنہ میرا کام تمام ہو جائے گا۔ جاہر دیو نے سلطان کے پہلو میں خنجر گھونپ دیا اور پھر خسرو خاں کے اوپر سے سلطان کو گھسیٹ کر اس کا سر کاٹ لیا۔ اس سر کو فوراً نیچے قصرِ ہزار ستون کے صحن میں اوپر سے پھینک دیا۔ اس کے بعد خسرو خاں، رندھول، جاہر دیو اور دوسرے ہندو محل سرائے سلطانی میں داخل ہوئے وہاں سلطان علاؤالدین خلجی کی بیوی اور دوسری بے گناہ عورتوں کو قتل کر کے، فرید خاں، منگو خاں، عمر خاں، پسر خاں پسران سلطان علاؤالدین کو قتل کیا اور خاندان علائی کے کسی متنفس کو زندہ نہ چھوڑا۔ اسی وقت جب کہ آدھی رات ہو چکی تھی تمام امراء کو قصر ہزار ستون میں بلا توقف حاضر ہونے کا حکم بھجوایا جب تمام امراء جمع ہو گئے تو ان سب کو گرفتار اور نظر بند کر دیا۔ صبح ہوئی تو خسرو خاں نے تاج پوشی سر پر رکھ کر تختِ سلطانی پر جلوس کیا۔ امراء نے اطاعت قبول کی جن کی نسبت کچھ شبہ تھا ان کو قتل کر دیا۔

سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی شب پنجم ربیع الاول ۷۲۱ھ کو ہندوؤں کے ہاتھ سے شہید ہوا۔ چار سال چند ماہ سلطنت کی۔

خسرو خاں نمک حرام

ضیاء برنی اپنی تاریخ میں اس حادثہ الم انگیز کو درج کرتے ہوئے انتہائی غیظ و غضب کا اظہار کرتا ہے:

> وبعد ازاں کہ خسرو خاں برادران از کار غدر فارغ شدند ملوک و امراء دولت بر بام ہزار ستون آوردند و در نظر خود داشتند و صبح برسید و آفتاب، بر آمد، خسرو خان مابون خود را سلطان ناصر الدین خطاب کردہ آنچناں غلام بچہ و برادر بچہ ولد الزنا از قوت برداران و ہندواں بر تخت علائی و قطبی بنشست و روزگار غدار نابکار شغال بچہ رو بہ نژاد رائے بر جائے شیران شرزہ روا داشت و خوک بچہ و سگ صفت را بر تخت پیلانِ صف شکن و براوٗ رنگ صفدران تہمتیں بہ پسندید و ہم در ساعت جلوس آں ملعون و ملعون بچہ فرمان داد تا چند غلامانِ سلطان قطب الدین را کہ اختصاص براو داشتند و از امراء کبار شدہ بودند بگیرند و بکشتند در روز بعضے از ایشاں را در خانہائے ایشاں کشتند و بعضے در سرائے آوردند و گوشہ بردند و گردن زدند خانماں و زنان و غلام و کنیزک ایشاں بہ برواران و ہندوان بخشید ند و خانہ قاضی ضیاء الدین را با جمیع اسبابیکہ در خانہ او بود خارج از زن و بچہ کہ ہم دراوں شب فرار نمودہ بودند بہ رندھول داوند۔

خسرو خاں پہلے ہی تمام اہتمام کر چکا تھا جو صوبہ دار دور دراز کے صوبوں میں مامور تھے ان کے اکثر عزیز و اقارب دہلی میں موجود تھے ان سب کی نگرانی اور دیکھ بھال کا بندوبست کیا تاکہ وہ دہلی سے فرار نہ ہوسکیں اور سرکشی پر آمادہ نہ ہوسکیں۔ جن لوگوں کے اہل وعیال دہلی میں نہ تھے ان کے بیٹوں یا بھائیوں کو خسرو نے پہلے ہی سلطان قطب الدین مبارک شاہ کے حکم سے بطور یرغمال دہلی بلوالیا تھا۔ لہٰذا اس کو کسی زبردست بغاوت کا اندیشہ نہ تھا۔ تمام صوبہ داروں میں سے سب سے زیادہ جس شخص کا خیال تھا وہ غازی ملک تغلق صوبہ دار دیبالپور تھا جو سلطان علاؤ الدین کے زمانہ سے مغل افگنی کے سبب بڑی شہرت اور اثر رکھتا تھا۔ غازی ملک تغلق کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اس کا بیٹا فخر الدین جونا خاں جو بعد میں سلطان محمد تغلق کے نام سے مشہور ہوا دہلی میں موجود تھا۔ خسرو خاں نے تخت نشین ہوتے ہی

ملک جونا خاں امیر آخور کا عہدہ عطا کیا اور اس کی سب سے زیادہ دلدہی اور خاطر مدارات کرنے لگا تا کہ اس کا باپ غازی ملک مخالفت پر آمادہ نہ ہو سکے۔

جاہر دیو کو جو قاضی خاں اور سلطان قطب الدین خلجی کا قاتل تھا زر و جواہر سے تلوایا گیا۔ رندھول کو رائے رایان کا خطاب ملا۔ قصر ہزار ستون اور محل سرائے سلطانی میں ہندو ہی ہندو نظر آنے لگے۔ دہلی میں پہلے ہی سے چالیس ہزار ہندو سواروں کی مسلح فوج تھی۔ مسلمانوں کی کوئی طاقت دہلی میں باقی نہ رکھی گئی تھی۔ جو مسلمان موجود تھے ان کو خسرو نے اپنا ہمنوا بنالیا تھا۔ اب بادشاہ ہو کر اس نے ہندوؤں کی بھرتی شروع کردی۔ ہندوؤں میں جا بجا خوشیاں منائی گئیں کہ اب دہلی پھر ہندوؤں کے قبضہ میں آ گئی۔ دیول دیوی جو خضر خاں کے قتل کے بعد سلطان قطب الدین مبارک شاہ کی بیوی بن گئی تھی اب سلطان کے قتل ہونے پر اس کو خسرو خاں نے اپنی بیوی بنالیا۔

خسرو خاں کو اسلام سے پہلے ہی کوئی تعلق نہ تھا۔ اب بادشاہ بننے کے بعد اس نے اپنا نام تبدیل کرنا اس لئے مصلحت نہ سمجھا کہ ملک میں بہت سے ایسے مسلمان سردار موجود تھے جن کو وہ فریب دے کر اپنی مخالفت سے باز رکھنے کا خواہاں اور بتدریج اسلامی سلطنت کو خالص ہندو سلطنت بنانا چاہتا تھا۔ باوجود ان تمام باتوں کے فطرت اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ چنانچہ دہلی کی مسجدوں کو ہندوؤں نے مسلمانوں سے چھین لیا۔ مسجدوں کی محرابوں میں بت رکھے گئے اور مسجدوں کو مندر بنا کر ان میں گھنٹے بجنے اور بت پوجنے لگے۔ اذان کی آوازیں بلند ہونی موقوف ہوئیں۔ پھر اس سے بڑھ کر پاجی پن کی حرکت یہ ہوئی کہ مسلمانوں سے قرآن مجید زبردستی چھین چھین کر جمع کئے گئے اور ان کو ایک دوسرے پر رکھ کر خسرو خان کے دربار میں چھوٹے چھوٹے چبوترے بنائے گئے اور ان پر ہندو درباری بیٹھے۔ غرض ایسی ایسی کمینہ حرکات سرزد ہوئیں جن کے لکھنے کی تاب زبانِ قلم نہیں لاسکتی۔ خزانوں کے منہ کھول دیئے گئے اور لاتعداد ہندو روزانہ آ کر فوج میں بھرتی ہونے لگے۔

ملک جونا خاں ابن غازی ملک ڈھائی مہینہ تک تو مجبوراً اس ہندو گردی کو دیکھتا اور

برداشت کرتا رہا۔ ایک روز موقع پا کر اور گھوڑوں کی ڈاک بٹھا کر وہ دہلی سے دیپالپور کی طرف بھاگا۔ چند گھنٹے کے بعد اس کے فرار کا حال خسرو خاں کو معلوم ہوا تو تعاقب میں سوار بھیجے مگر وہ ملک جونا خاں کی گرد کو بھی نہ جا سکے۔ ملک جونا خاں جب اپنے باپ غازی ملک کے پاس پہنچ گیا تو اس نے خدا کا شکر ادا کیا اور اپنے ولی نعمت سلطان قطب الدین خلجی کے خون کا انتقام لینے کے لیے تیار ہوا۔ ملتان کے امیر کو لکھا کہ فوج لے کر میرے شریک ہو جاؤ تا کہ ہم دونوں مل کر خسرو خاں سے سلطان قطب الدین کا انتقام لیں۔ امیر ملتان نے لکھا کہ جو شخص دہلی کا بادشاہ ہو چکا ہے اس کا مقابلہ ہم جیسے چھوٹے چھوٹے امیروں سے کب ہو سکتا ہے۔ غازی ملک نے ملتان کے ایک رئیس بہرام ایبہ نامی کو خط لکھا کہ امیر ملتان امارت کے قابل نہیں رہا تم اس کو قتل کر کے ملتان کی حکومت اپنے قبضے میں لاؤ۔ اور وہاں کی فوج لے کر میرے پاس چلے آؤ۔ بہرام ایبہ نے بآسانی حاکم ملتان کو قتل کیا اور فوج لے کر غازی ملک کے پاس دیپالپور چلا آیا۔ غازی ملک نے فوج لے کر دہلی کی طرف کوچ کیا۔

خسرو خاں نے یہ خبر سن کر ایک زبردست فوج اپنے بھائی کی سرداری میں روانہ کی۔ سرستی کے قریب لڑائی ہوئی۔ خسرو خاں کی فوج شکست کھا کر بھاگی۔ غازی ملک سرستی روانہ ہو کر اندرپرست کے خرابہ میں پہنچ کر خیمہ زن ہوا۔ خسرو خاں ہندوؤں کا لاتعداد لشکر لے کر شہر سے باہر نکلا۔ غازی ملک کے مٹھی بھر مسلمانوں کے مقابلے میں یہ بے شمار ہندو فوج زدوخورد کا ہنگامہ گرم ہونے پر کچھ بھی نہ کر سکی اور حواس باختہ ہو کر بھاگی۔

خسرو خاں جب دہلی سے غازی ملک کے مقابلہ کو نکلا تھا تو اس نے تمام شاہی خزانے کو جو سلطان قطب الدین ایبک کے زمانہ سے اب تک جمع ہوتا چلا آیا تھا نکلوا کر ہندوؤں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اور خزانہ میں جھاڑو دلوادی تھی۔ اس کو غازی ملک کا خوف تھا اس لیے اس نے یہ کہہ کر خزانہ ہندوؤں کو تقسیم کر دیا تھا کہ اگر ہماری فتح ہوئی تو تم اس روپیہ کو اپنی سہ سالہ پیشگی تنخواہ سمجھو اور اگر ہم مارے گئے تو کم از کم روپیہ تو مسلمانوں کے ہاتھ نہ آ سکے گا۔

خسرو خاں شکست خوردہ میدان سے فرار ہو کر ایک مقبرہ میں پناہ گزیں ہوا اور وہاں

سے گرفتار ہو کر قتل کیا گیا۔

دیدی کہ قتل ناحق پروانہ شمع را　　چندیں اماں نداند کہ شب را سحر کند

سجان رائے ہندو مؤرخ خسرو خاں کے واقعہ کو لکھ کر خسرو خاں کی نسبت لکھتا ہے

کسے را کہ نبود شرف در نہاد　　نباشد عجب گر بود بد نہاد
سر ناکساں رابرا فراشتن　　واز ایشاں امید بہی داشتن
سررشتہء خویش گم کردن است　　بعیب اندروں مار پروردن است
دگر زندگانی توقع مدار　　کہ در جیب و دامن دہی جائے مار

غازی ملک نے دہلی میں آ کر تلاش کیا کہ شاہی خاندان کا کوئی فرد چھوٹی یا بڑی عمر کا ملے تو اس کو تخت پر بٹھائے، مگر خسرو خاں پہلے ہی شاہی خاندان کا تخم سوخت کر چکا تھا لہٰذا غازی ملک نے تمام مسلمان سرداروں کو جمع کر کے کہا بھائیو میں تو صرف سلطان قطب الدین خلجی کا انتقام لینے آیا تھا، اپنا کام پورا کر چکا۔ اب تم جس کو مناسب سمجھو اپنا بادشاہ بنالو میں اس کی فرمانبرداری کے لیے کمر بستہ ہوں۔ سب نے بالاتفاق غازی ملک ہی کو اپنا سلطان منتخب کیا اور وہ سلطان غیاث الدین تغلق کے نام سے دہلی کے تخت پر بیٹھ کر ہندوستان کا بادشاہ بنا (آئینہ باختصار بعض الفاظ ص ۳۳۵) اور دہلی کی خودمختار سلطنت کا دوسرا خاندان (خلجی) ہندوستان کے پورے براعظم کو اسلامی سلطنت میں داخل کرنے کے بعد صرف تینتیس سال حکومت کر کے ختم ہوا اور یہ تیسرا خاندان (تغلق) شروع ہوا۔

خاندان خلجی کا خاتمہ ربیع الاول ۷۲۱ھ کو ہوا تھا اس کے بعد کچھ عرصہ خسرو خاں نمک حرام کا تغلب رہا پھر غازی ملک سلطان غیاث الدین تغلق نے اس کا خاتمہ کر کے ازسرنو حکومت کا نظام سنبھالا۔ تغلق خاندان میں محمد تغلق کا دور ملک کی اقتصادی ترقی میں خاص حیثیت رکھتا ہے۔ محکمہ زراعت کی ترقی اس کے زمانہ میں غیر معمولی ہوئی جس کا کچھ ذکر اس کتاب کے پہلے حصہ میں آ چکا ہے۔

خاندان تغلق کے بعد ۷۱۷ھ سے ۸۸۳ھ تک باسٹھ سال سیدوں کی حکومت رہی

اس کے بعد ۸۹۴ھ تک لودھی خاندان کی اور پھر ۹۶۰ھ تک سوری پٹھانوں کی حکومت رہی۔ مگر یہ سب سلطنتیں کچھ ایسے حالات میں رہیں کہ مرکزی سلطنت میں ضعف اور طوائف الملوکی کا دور تھا۔ ۷۱۱ھ سے ۹۶۲ھ تک ڈیڑھ سو سال یہی طوائف الملوکی کا ایسا دور دورہ رہا کہ ایک ایک شہر ایک ایک قصبہ میں ایک، ایک امیر و سلطان خود مختار بن گیا تا آنکہ ۹۶۲ھ میں ہمایوں نے پھر ایران سے واپس ہو کر ہندوستان فتح کر کے متحدہ اسلامی سلطنت دوبارہ قائم کی اور خاندان مغلیہ کا دور آیا۔

اس ڈیڑھ سو سال کے عرصہ میں مسلمان بادشاہوں کی باہمی آویزش اور جنگ و جدال کا بازار گرم رہا کوئی تعمیری کام ان حالات میں کیا ہو سکتا تھا۔ اس پورے دور میں قابل ذکر اور موضوع بحث سے متعلق کچھ کام ہوا تو وہ شیر شاہ سوری کے زمانہ میں ہوا جس نے اپنے مختصر سے پنجسالہ دورِ حکومت میں اپنی جنگی اور انتظامی قابلیت سے ایک طرف تو ہندوستان کے اکثر علاقہ کو فتح کیا دوسری طرف بہت سے تعمیری کام رفاہِ خلق کے متعلق انجام دیئے۔ پورے ملک کے طول و عرض میں بڑی بڑی شاندار سڑکیں نکالیں۔ اراضی ملک کا بہترین انتظام کیا۔ محقق مؤرخین لکھتے ہیں کہ "آئین اکبری" اسی کے وضع کردہ قوانین کا دوسرا نام ہے جس کو ابوالفضل نے اپنی ادبی قابلیت سے مزین کر کے پیش کر دیا ہے۔ شیر شاہ کے عہد کے کچھ حالات اسی کتاب کے پہلے حصے میں بیان ہو چکے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ۹۶۲ھ کو خاندان مغلیہ کی حکومت کا دور شروع ہوا جو ہندوستان کی اسلامی سلطنت کا آخری دور تھا۔ ان سے بتدریج انگریزوں کے قبضہ میں پہنچا۔ اور تقریباً ڈیڑھ سو سال انگریزوں کی حکومت و تسلط رہنے کے بعد ۲۷ رمضان ۱۳۶۶ھ کی شب قدر اور گویا نزولِ قرآن کی سالگرہ کی رات میں انگریزوں کا اقتدار ختم ہو کر ملک کے دو حصے پاکستان اور ہندوستان بنے اور پاکستان کا نظام حکومت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

واللہ غالب علی امرہ ، اللھم مالک الملک توتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء و تعز من تشاء و تذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شی قدیر ط

خاتمہ

اس کتاب فتوح الہند کے شروع میں یہ عرض کر چکا ہوں کہ اس کتاب کا اصل مقصد ہندوستان یا اس کی فتوحات کی مکمل تاریخ لکھنا نہیں بلکہ ''مسئلہ اراضی'' سے متعلق ہندوستانی فتوحات کے حالات کا جائزہ لینا تھا۔ ضمنی طور پر یہ کچھ یادداشت فتوحات ہند کے متعلق جمع ہوگئی۔

اور مذکورہ الصدر تفصیل سے آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ کفار سے جہاد کر کے ہند کو دارالاسلام اور اسلامی حکومت بنانے کا کام سب سے پہلے علاؤ الدین خلجی کے زمانہ میں مکمل ہو چکا ہے۔ اس کے بعد تو خود مسلمان بادشاہوں کی باہمی آویزش اور خانہ جنگیاں رہیں جس کا مسئلہ اراضی پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔ اسی طرح مغل خاندان کی حکومت کے زمانہ میں جب کہ طوائف الملوکی کے بجائے متحدہ ہندوستان کی اسلامی حکومت پھر قائم ہوگئی اس وقت بھی کوئی نئی فتوحات نہ تھی جن کے احکام کی فکر کی جائے اس لئے ہمارے موضوع بحث سے متعلق اصل میں فتوح الہند کا وہی حصہ تھا جو علاؤ الدین خلجی تک پورا ہو چکا ہے، اس کے بعد کے مختصر حالات تبعاً ذکر کر کے اس کتاب کو ختم کیا جاتا ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ. اَللّٰھُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ط